احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیرالاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

اکتوبر 2015ء

ذکر امام حسین رضی اللہ عنہ کی ضرورت و اہمیت

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

کا خصوصی خطاب

اتحادِ امت کے عظیم و مضبوط ستون

اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم

سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ

پیکرِ عدل و صاحبِ بصیرت

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

حیات و تعلیمات

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا دورۂ یورپ

امن نصاب کی تعارفی تقریبات اور ورکرز کنونشنز میں خصوصی شرکت

اَہلِ بیتِ اَطہار علیہم السلام اور شہادتِ اِمام حسین علیہ السلام پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصانیف

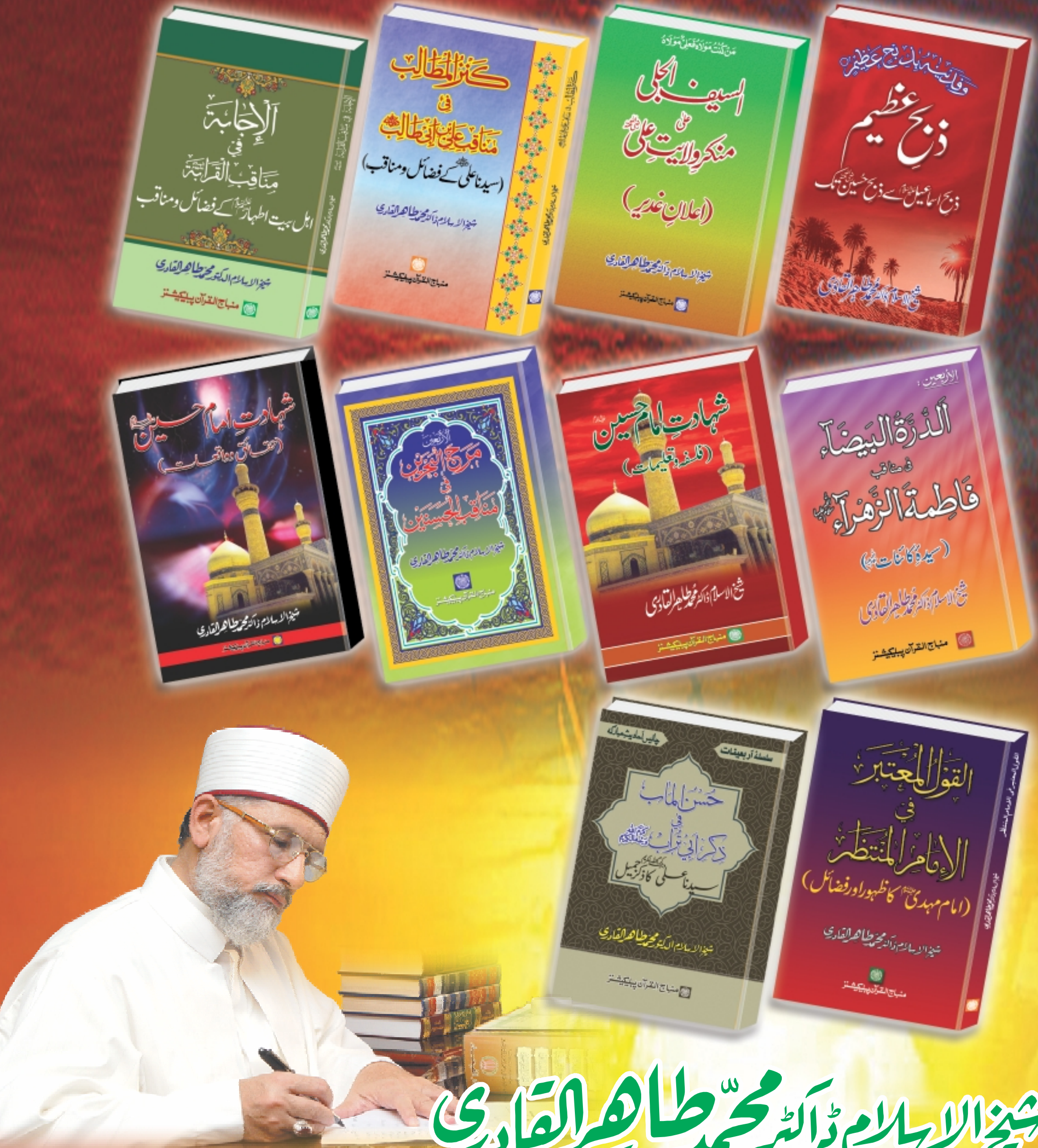

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

کے علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی، فقہی و قانونی، انقلابی اور فکری و عصری موضوعات پر

450 سے زائد کتب دستیاب ہیں

احیائے اسلام و امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

بفیضانِ نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤ الدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیرِ سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

جلد 29 شمارہ 10 / ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ / محرم ۱۴۳۷ھ / اکتوبر 2015ء

www.facebook.com/minhajulquran
www.minhaj.info mqmujallah@gmail.com

حسن ترتیب

اداریہ۔ ملتِ اسلامیہ کے منصب اُمتِ وسط کے اِحیاء کا سفر		5
(القرآن)۔ ذکرِ امام حسین رضی اللہ عنہ کی ضرورت و اہمیت	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	7
(الفقہ)۔ آپ کے دینی مسائل	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	19
حضرت عمر فاروقؓ۔ پیکرِ عدل و صاحبِ بصیرت	ڈاکٹر علی اکبر الازہری	23
حضرت عثمان غنیؓ۔ حیات و تعلیمات	پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا	30
اتحادِ امت کے عظیم و مضبوط ستون۔ اہلِ بیتِ اطہارؓ	ڈاکٹر ظہور احمد اظہر	39
معاشی و نظریاتی دہشت گردی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟	عین الحق بغدادی	44
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا دورۂ یورپ		51
تحریکی سرگرمیاں		55

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر علی اکبر قادری الازہری

ایڈیٹر
محمد یوسف

اسسٹنٹ ایڈیٹر
محمد شعیب بزمی

مجلس مشاورت
صاحبزادہ فیض الرحمٰن درانی، خرم نواز گنڈاپور
ڈاکٹر رحیق احمد عباسی، شیخ زاہد فیاض
جی ایم ملک، سرفراز احمد خان، منظور حسین قادری
غلام مرتضیٰ علوی، قاضی فیض الاسلام، فرح ناز

مجلس ادارت
علامہ محمد معراج الاسلام، مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی
پروفیسر محمد نصر اللہ معینی، ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم
گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری
عکاسی: محمود الاسلام قاضی

قیمت فی شمارہ : 25 روپے
سالانہ زرتعاون : 250 روپے

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و رہاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ
ترسیل زر کا پتہ
اکاؤنٹ نمبر 01970014575103 حبیب بینک منہاج القرآن برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان
فون: UAN: 111-140-140 فیکس: 35168184

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور

حمد باری تعالیٰ

پروردگارِ انس و جاں، خالق جملہ کائنات
ہے جس کے ہاتھ سر بہ سر سلسلۂ مرگ و حیات

آنی و فانی جہاں میں حی و قیوم اُس کی ذات
دائم تغیرات میں ہے اُسے حاصل ثبات

وہ بدلتا وقت کی ہے ساعتوں کو پے بے پے
صبح کو روشن دن کرے وہ، شام کو تاریک رات

فرش سے فوق عرش تک رہتا ہے ہرلب پر مدام
تذکرۂ خیرالانامؐ اور آپؐ ہی کی بات

ہو نہ پائیں گے رقم کلماتِ رب ہرگز، اگر
ہوں شجر اقلام اور ہوں روشنائی بحر سات

ہیں سحر دم نغمہ ریز دشت و باغ و راغ میں
طائرانِ خوش نوا سب ڈال ڈال، پات پات

نعرۂ تکبیر کعبے میں ہوا جس دم بلند
تھرتھرا کر گر گئے سجدے میں سب لات و منات

اہلِ عزیمت کے لئے نیّرؔ ہے یہ پیغامِ حق
قوتِ حق ہی سے ہوگی لشکرِ باطل کو مات

﴿ضیا نیّر﴾

نعت بحضور سرورِ کونین ﷺ

دنیائے رنگ و بُو میں مثلِ جان آپؐ ہیں
میرا سکونِ دل میرا ایمان آپؐ ہیں

اُترا تھا جو حرا میں مقدس رسول پر
وہ چلتا پھرتا بولتا قرآن آپؐ ہیں

دل میں سجی ہوئی ہے جو روزِ الست سے
اُس بزم ذکر و نور کے مہمان آپؐ ہیں

ہے تختِ شاہی آپؐ کا سادہ سا بوریہ
لیکن شاہانِ وقت کے سلطان آپؐ ہیں

وہ بندگانِ حرص ہیں مانگیں جو مال و زر
میرا تو کُل اثاثہ و سامان آپؐ ہیں

لوگوں کی آرزوؤں کا مجھ کو پتہ کہاں
میری تو آرزوئے دل ارمان آپؐ ہیں

جس چہرۂ حسیں میں نہاں عکسِ ذاتِ ہو
اُس رب کائنات کی پہچان آپؐ ہیں

وہ قاب قوسین اوادنیٰ کی قربتیں
اس ساری داستاں کے رازدان آپؐ ہیں

عرش معلیٰ پر جنہیں جانے کا شرف ہے
دونوں جہاں میں اولیں انسان آپؐ ہیں

خُلق و عطا و عجز کے گل ہائے مختلف
جس میں سجے ہوئے ہیں وہ گل دان آپؐ ہیں

ان دو حقیقتوں سے تو زندہ ہے یہ نظام
یہ کائنات جسم ہے اور جان آپؐ ہیں

﴿احسان حسن ساحر﴾

ملّتِ اِسلامیہ کے منصبِ اُمتِ وسط کے اِحیاء کا سفر

ملّتِ اِسلامیہ کو اللہ تعالی نے امت وسط کا منصب عطا کیا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ انسانیت اس وقت ہی تباہی سے دو چار ہوئی جب اس نے دین، دنیا، سیاست اور زندگی کے دوسرے میدانوں میں اعتدال کی راہ کو ترک کیا۔ اعتدال کی راہ کو ترک کرتے ہی یہ قوم افراط وتفریط کے ایسے فتنوں کا شکار ہوئی کہ انجامِ کار تباہی اور بربادی اسکا مقدر بن گیا۔ اگر ہم پچھلی صدی کے نصف آخر پر نگاہ ڈالیں تو ہمیں بالعموم اس طرح کے رویے ملت اسلامیہ میں پنپتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مذہبی، سیاسی اور سماجی سطح پر افراط وتفریط نے ملت اسلامیہ کو جہاں معاصر چیلنجوں کا سامنا اور مقابلہ کرنے کی صلاحیت واستعداد سے محروم کیا، درونِ خانہ طرح طرح کی مخاصمتوں، تنازعات اور داخلی انتشار کا شکار بھی کر دیا۔

آج سے 35 سال قبل 17 اکتوبر 1980ء سے شروع ہونے والے تحریک منہاج القرآن دراصل اس مرض کے ازالے کے لئے وقت کی پکار پر لبیک کے مترادف تھی۔ اگر پچھلی صدی کے نصف آخر میں بپا کی جانے والی احیائی، تحریکی اور دینی کاوشوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ افراط وتفریط کے انہی رجحانات کے تحت ہی ان کاوشوں سے مثبت نتائج کے برعکس معاشرے میں تفریق وتقسیم کا عمل مزید آگے بڑھا اور نتیجہ ہے کہ آج ہم دہشت گردی کے ایک ایسے آتش فشاں پر بیٹھے ہیں جس کا آج سے چند دہائیاں قبل تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تحریک منہاج القرآن نے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی مدبرانہ اور بابصیرت قیادت میں جو سفر شروع کیا تھا وہ معاشرے میں اعتدال پر مبنی رویوں کو پیدا کرنے کا باعث بھی بنا اور معاشرے میں شدت پسندانہ رجحانات کے خاتمے اور اصلاح کے لئے بھی ایک راہ عمل قرار پایا۔

تحریک منہاج القرآن نے اپنے قیام کے روزِ اوّل سے معاشرے کے ہر طبقے اور ہر شعبہ زندگی میں ان رویوں کے فروغ کو اپنی ترجیح بنایا جو معاشرے کو صحت مندانہ، تعمیری اور قومی مفادات کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لئے ضروری ہیں۔ تحریک منہاج القرآن ایک دینی، تجدیدی، احیائی اور روحانی تحریک ہے۔ اپنے اس کردار کے سبب سے تحریک نے دینی میدانوں میں افہام وتفہیم، وسعتِ نظری، اتحاد بین المسالک، بین المذاہب ہم آہنگی و رواداری کے فروغ اور انتہا پسندی و دہشت گردی کے سد باب کے لئے قابلِ رشک نظائر قائم کیں۔ تحریک منہاج القرآن کا ہر قدم آگ میں جلنے والے معاشرے کو پھر سے امن وآشتی اور باہمی برداشت و رواداری کے رویے سے آشنا کرنے کی طرف ایک نمایاں اور مؤثر پیش رفت ثابت ہوا۔ اس سلسلہ میں حال ہی میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے انتہاء پسندی و دہشت گردی کے سد باب کے لئے امن نصاب دیا ہے جو نہ صرف امت مسلمہ بلکہ پوری انسانیت کی خدمت ہے۔ یہ نصاب نئی نسل کیلئے علم وآگاہی کا ذریعہ ہے۔ تمام تر خلفشار، مسائل اور سماجی ناہمواریوں کے باوجود شیخ الاسلام نے آئندہ نسلوں کیلئے اپنے تحقیقی کام میں خلل نہیں آنے دیا۔ یہی نہیں بلکہ سیاسی اور سماجی و معاشرتی میادین میں بھی تحریک منہاج القرآن کی کاوشیں اس ہدف کے حصول کے لئے ہیں کہ معاشرے کو عدم برداشت اور شدت پسندی کے رویوں سے نجات دلا کر اعتدال اور رواداری کی روش سے آشنا کیا جائے۔

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے ہاں سیاسی، معاشی اور معاشرتی سطح پر عدل و انصاف موجود نہیں جس بناء پر عدم برداشت کے رویے فروغ پا رہے ہیں۔ عدل و انصاف ہر ایک کیلئے یکساں ہو تو لاتعداد سماجی برائیوں سے قوم کی جان چھوٹ سکتی ہے۔ طبقاتی نظام تعلیم، طبقاتی نظام عدل اور نے قوم کو کرپشن اور محرومی کے سوا کچھ نہیں دیا۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام نے اپنی جدوجہد میں بنیادی حقوق کی بحالی کو بھی اول دن سے شامل رکھا اور پرامن انقلابی جدوجہد کے ذریعے بیداری شعور کی بھرپور مہم چلائی۔ اس سلسلہ میں آپ کی فکر کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اگر آج بھی ظالم فرسودہ سیاسی نظام کو مصطفوی انقلاب سے بدل دیا جائے تو عوام کی محرومی اور مایوسی ختم ہو جائے گی۔ پاکستان میں انسانی حقوق کی پامالی اس لیے ہے کہ ہمارے حکمرانوں نے دین کی زریں اقدار کو فراموش کر دیا ہے جبکہ انسانی حقوق اور دین اسلام لازم وملزوم ہیں۔ اس ملک کے مقتدر طبقہ کو یہ سمجھنا ہوگا کہ اسلامی اقدار کی خوبی ہے کہ یہ افراد کی خواہشات کے مطابق بدلتی نہیں بلکہ اسلامی معاشرے کو ہر لحہ بھٹکنے سے بچا لیتی ہیں۔ جب تک سیاسی معاشی دہشتگردوں کو کیفر کردار تک نہیں پہنچایا جائیگا ملک سے ناانصافی، انتہا پسندی اور ہر طرح کے استحصال کا خاتمہ ناممکن ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری آج انسانیت کے سامنے اسلام کو دین رحمت اور تعلیمات امن کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ آپ اسلام کے روشن چہرے پر پڑ جانے والی گرد کو صاف کرنے اور اپنے فکر وعمل اور شبانہ روز جدوجہد کے ذریعے پوری دنیا میں ہر اہم فورم پر اسلام کے دفاع کے لئے فکری ونظریاتی اور علمی وعملی محاذوں پر مصروف جدوجہد ہیں۔ شیخ الاسلام اپنی احیائی وتجدیدی، روحانی و اصلاحی، اداراتی و رفاہی، تعلیمی وتحقیقی اور تصنیفی وتبلیغی خدمات کے ذریعے دنیا بھر میں اسلام کے پیغام ومحبت و امن کو فروغ دے رہے ہیں۔ آپ نے اپنی سینکڑوں تصانیف، ہزاروں خطبات، تلامذہ اور وابستگان کے ذریعے اسلام کی حقیقی تعلیمات کو جس باوقار انداز سے دنیا میں پھیلایا ہے اس کی دورِ حاضر میں نظیر ملنا محال ہے۔

آج ملت اسلامیہ کو جن چیلنجوں کا سامنا ہے اس کا تقاضہ ہے کہ ہم دلائل و براہین اور پوری قوت سے اسلام کو پُر امن بقائے باہمی کے مؤثر ترین اسلوب حیات کے طور پر پیش کریں کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ آج اسلام کی سب سے بڑی خدمت دشمنان اسلام کے خلاف عسکری جدوجہد نہیں بلکہ اسلام کے خلاف جاری منفی پراپیگنڈے کا علمی اور عملی سطح پر تدارک ہے۔ شیخ الاسلام نے ایسے گھمبیر اور آزمائش سے پُر ماحول میں امن اور رواداری کے پیغام کو عام کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ آپ نے دہشت گردی کے خلاف جو علمی وفکری خدمات سرانجام دی ہیں اس کی بازگشت دنیا بھر میں محسوس کی گئی۔ دنیا کے ہر بڑے فورم پر اسے موضوعِ بحث بنایا جا رہا ہے اور اس طرح آج کے راست فکر اور فہم سلیم رکھنے والے افراد کے سامنے اسلام کا وہ چہرہ نمایاں ہوا جو اسلام کا اصل چہرہ ہے یعنی تکریم انسانیت کی ضمانت دینے والا دین اور نظام زندگی۔

حقیقت یہ ہے کہ آج انسانیت کی بقاء، دنیا کا امن اور اس کرہ ارضی کا مستقبل صرف اس امر میں مضمر ہے کہ اقوام عالم راہ اعتدال پر گامزن ہوں اور قدرت نے یہ منصب اُمتِ وسط یعنی ملت اسلامیہ کو سونپا ہے کہ وہ خود بھی افراط و تفریط سے ماوراء ہو اور دنیا کو بھی ان قباحتوں سے پاک کریں۔ شیخ الاسلام کی رہنمائی اور قیادت میں تحریک منہاج القرآن کا سارا سفر خواہ وہ علمی وفکری ہو یا سیاسی و رفاہی عالم اسلام اور بقیہ دنیا کو بالعموم اور پاکستان کو بالخصوص اسی پیغام سے آشنا کرنے کا سفر ہے جس کے علاوہ ہمارے پاس بقا کا کوئی اور راستہ موجود نہیں!

القرآن

ذکر امام حسین رضی اللہ عنہ کی ضرورت و اہمیت

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب☆

مرتب: محمد یوسف منہاجین // معاون: محمد شعیب بزمی

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا. (الاحزاب:۳۳)

’’بس اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے (رسول ﷺ کے) اہلِ بیت! تم سے ہر قسم کے گناہ کا مَیل (اور شک و نقص کی گرد تک) دُور کر دے اور تمہیں (کامل) طہارت سے نواز کر بالکل پاک صاف کر دے‘‘۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دنیا پر مادیت کا غلبہ ہوتا جارہا ہے جس کے نتیجے میں صرف لوگوں کی عملی اور اخلاقی زندگیاں ہی متاثر نہیں ہورہیں بلکہ لوگوں کے عقائد اور افکار و نظریات تک بھی متاثر ہورہے ہیں۔ جب انسان کے فکر، عقیدہ اور نظریہ میں مادیت کا غلبہ بڑھتا ہے تو اس عقیدے سے ہر وہ پہلو جس کا تعلق روحانیت اور روحانی اقدار و روایات کے ساتھ ہوتا ہے، وہ پہلو کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔ نتیجتاً وہ شخص جدیدیت کی سوچ Modernistic Approach کا حامل بن جاتا ہے۔ یہ جدیدیت بھی تجدد پسندی کی شکل میں ہوتی ہے جس میں مادیت (Materialism)، جدیدیت (Modernism) اور لامذہبیت (Secularism) تینوں اکٹھی ہوتی ہیں۔ ان تینوں کا اختلاط ہماری ایمانی زندگی کو متاثر کررہا ہے اور یہ ایک بہت بڑا فتنہ ہے۔

جدیدیت (Modrenism) اور ماڈرن ہونے کے تقاضوں Modernistic Approach کو پورا کرنے میں اصلاً خرابی نہیں ہے۔ لیکن جب جدیدیت (Modernism) نظریہ اور عقیدہ بن جاتی ہے تو پھر اس سے خرابیاں جنم لیتی ہیں۔

اسی طرح زندگی کی Secular ضروریات بھی ہیں، جن کا پورا کرنا بھی اشد ضروری ہے، اس لئے کہ دین Secular ضروریات کو نظر انداز نہیں کرتا۔ دین صرف مذہبی پہلو (Religious Aspects) کی تکمیل نہیں کرتا بلکہ دنیاوی پہلو Secular Aspects سے بھی مخاطب ہوتا ہے۔ مگر جب Secularism اپنی انتہاء پر چلی جائے تو وہ لامذہبیت میں بدل جاتی ہے، جس سے ایمان کو نقصان پہنچتا ہے۔

اسی طرح مادیت (Materialism) ہے۔ ہمارا جسم مادہ ہے اور روح کے اوپر ایک غلاف کی مانند ہے۔ روح اور مادہ دونوں کے امتزاج سے انسان بنتا ہے۔ روح سے روحانیت جنم لیتی ہے جبکہ مادہ سے مادیت جنم لیتی ہے۔ اصلاً مادیت بھی بری چیز نہیں مگر مادیت جب فکر، فلسفہ، نظریہ اور عقیدہ بنتی ہے یعنی ہمارے افکار اور عقیدے پر اثر

☆ خطاب نمبر: CD#1519،GC:72 تاریخ: 4-12-2011، بمقام: مرکزی سیکرٹریٹ تحریک منہاج القرآن لاہور

انداز ہوتی ہے تو پھر یہ بھی فتنہ بن جاتی ہے۔

جس سوچ، عقیدے اور نظریہ میں جس بھی دور میں یہ تینوں چیزیں ’’جدیدیت، لامذہبیت اور مادیت‘‘ اکٹھی ہوجاتی ہیں تو وہاں اعتقادی، اخلاقی اور ایمانی اعتبار سے بہت بڑا فتنہ وجود میں آتا ہے۔ آج مسلمانوں کی اعتقادی، روحانی، ایمانی، اخلاقی، عملی زندگی اس فتنے سے بری طرح متاثر ہورہی ہے۔ مادی ضرورتوں، جدید دور کے جملہ تقاضوں اور غیر مذہبی گوشہ ہائے حیات کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ہماری مرکزیت ایمان، روحانیت، قرآن و سنت اور روحانی اقدار پر قائم رہنی چاہئے، اس سے اعتدال قائم ہوتا ہے۔

جس طرح روح اور جسم کے مرکب کو انسان کہتے ہیں، خالی جسم کو بھی انسان نہیں کہتے، فقط روح ہو جسم نہ ہو، تب بھی انسان نہیں کہتے۔ اسی طرح روحانی اور مادی (دنیوی) دونوں تقاضے بتمام وکمال اکٹھے ہوں تو دین اور مذہب کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور انسان صحیح ڈگر پر رہتا ہے۔ دونوں میں سے کوئی ایک تقاضا بھی چھوٹ جائے یا کمزور پڑجائے تو انسان اپنا توازن کھودیتا ہے اور سوچ، فکر، عقیدہ اور عمل میں غیر متوازن ہوجاتا ہے۔

اسی لئے اللہ رب العزت نے امت محمدی ﷺ کو فرمایا:

اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ .

’’ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو‘‘۔ (البقرہ، ۲: ۱۴۳)

اگر امت مسلمہ انسانیت کی قیادت کرنا چاہتی ہے تو اسے امت وسط ہونا چاہئے۔ اعتدال پر قائم رہنے والی ایسی امت بننا ہوگا جو اپنا توازن نہ کھوئے۔

مادیت، لامذہبیت اور جدیدیت کے اثرات

مادیت (Materialism) لامذہبیت (Secularism) اور جدیدیت (Modernism)

اصلاً ان تینوں چیزوں کو میں برا نہیں سمجھتا مگر جب ان تینوں چیزوں کا امتزاج برے طریق سے ہوتا ہے تو اس کے نتیجہ میں عقائد میں تغیر آتا ہے اور ایسا ہوتا ہوا ہم گذشتہ کئی دھائیوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس موقع پر آپ کو ایک نصیحت کرنا چاہوں گا اور یہ الفاظ میرے والد گرامی حضرت فرید ملت ڈاکٹر فریدالدین قادریؒ مجھے بطور نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ ’’بیٹے! گھر، لباس، گاڑی، گھڑی اور ضروریات زندگی کی مختلف اشیاء جو چیز بھی مارکیٹ میں نئی آئے، استفادہ و استعمال کے لئے لے لیں، کسی شے کے نئے ماڈل لینے میں گناہ اور حرج نہیں مگر صرف عقیدہ نیا نہ لینا، عقیدہ وہی رکھنا جو پرانے لوگوں کا تھا‘‘۔

ہر نئی شے لینے سے آپ ترقی یافتہ ہوتے چلے جائیں گے، دنیا کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے جائیں گے جبکہ عقیدہ پرانا رکھنے سے آپ ایمان پر قائم رہیں گے۔ عقیدہ و ایمان کے حوالے سے جتنی نئی باتیں آپ سنتے ہیں، وہ سب نئے فتنے ہیں۔ روایات میں جو طور طریقے ہماری پچھلی نسلوں میں ائمہ، محدثین اور صلحاء کے تھے، ان کو ترک نہ کریں کیونکہ انہوں نے ان عقائد کو اپنی پہلی نسلوں سے لیا تھا۔ ہر پچھلا دور ہماری نسبت آقا علیہ السلام کے دور کے قریب تھا۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا:

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِىْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ وَهُمَا۔ (شرح فتح القدیر، ج۷، ص۳۷۸)

’’سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر اُن کا جو ان سے ملے ہوئے ہیں اور پھر اُن کا جو ان سے ملے ہوئے ہیں‘‘۔

حضور ﷺ، آپ کے صحابہ کرام اور اہل بیت کا زمانہ سب سے بہتر ہے۔ پھر وہ زمانہ بہتر جنہوں نے ان (صحابہ و اہل بیت) کو پایا۔ یعنی تابعین، پھر ان لوگوں کا دور جنہوں نے تابعین کو پایا اور وہ تبع تابعین کا دور تھا۔

حدیث کی ظاہری نص کا اطلاق تو صاف ظاہر ہے قرن ثلاثہ (تین زمانوں) عہد صحابہ، عہد تابعین اور

عہد تبع تابعین پر ہوتا ہے۔ مگر اس سے ایک اصول نکلتا ہے کہ ان تین زمانوں کو یا آخری تیسرے زمانے کو فضیلت ملنے کی وجہ یہ ہے کہ جس زمانے کو جتنا قرب زمانۂ محمدی ﷺ اور زمانۂ نبوت سے تھا وہ زمانہ اتنا افضل ہوگیا۔ اس اصول کا اطلاق جب ہم صدیوں پر کریں گے تو جو صدی آقا علیہ السلام کی صدی سے جتنی قریب تھی وہ پچھلی صدیوں سے اتنی بہتر ہوگی۔

افسوس! آج یہ تصور دیا جاتا ہے کہ ''پہلے لوگ جاہل تھے، قرآن و سنت کا علم ہمارے پاس ہے۔ لہذا اسلاف کی روش پر نہ چلو''۔ یاد رکھیں! یہی طور طریقے ہمیشہ حق کو رد کرنے والوں کے رہے ہیں۔ دین اور ایمان کے معاملے میں پہلے لوگوں کے پاس وراثت Legacy تھی اور وہ وراثت آقا علیہ السلام کی امت میں تسلسل سے چلی آرہی تھی، نتیجتاً امت خیر پر رہی۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

لَنْ يَجْمَعَ اللّٰهُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَةِ اَبَدًا.

(المستدرک علی الصحیحین، ج۱، حدیث نمبر۳۹۴)

''اللہ تعالیٰ میری امت کو من حیث المجموع کبھی گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا''۔

یعنی تسلسل کے ساتھ زمانوں میں میری امت خیر پر برقرار رہے گی گویا خیر کی Legacy اور ایک تسلسل ہے جو صدیوں سے چلی آرہی ہے۔ لہذا عقیدہ وہی اچھا ہے جو پہلے لوگوں کا تھا۔ جو نئی چیز عقیدے میں داخل کرے اور کہے کہ پچھلے لوگ جاہل تھے، مشرک، بدعتی اور ناواقف تھے، قرآن و سنت کا مکمل علم ان کے پاس نہ تھے، اب ہم محقق ہوگئے ہیں، علم تک ہماری رسائی زیادہ ہے، ہماری بات مانو تو اس موقع پر میں کہوں گا کہ دنیا کے ہر معاملے میں ان کی بات بھلے مانتے پھرو مگر دین اور عقیدے میں ان کی بات نہ مانو۔ دین اور عقیدے میں وہی اچھا ہے جو پرانا تھا۔ دنیا میں وہی اچھا ہے جو نیا ہے جبکہ عقیدہ اور دین میں وہی اچھا جو پرانا تھا۔ سائنس ٹیکنالوجی، انجینئرنگ، میڈیکل الغرض ہر چیز میں بہتری آگے جانے کی طرف ہے جبکہ دین میں آگے جانا گمراہی، فتنوں اور کفر کی طرف جانے کے مترادف ہے۔ دین کی اصل اور بنیاد کے لئے جتنا پیچھے کی طرف جائیں گے، منبع ہدایت حضور نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ، اولیاء اور صالحین کی صدیوں کی طرف بڑھتے جائیں گے۔

یہ تمام بات تمہیداً یہ سمجھانے کے لئے کی کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عقائد میں تغیرات آرہے ہیں۔ مثلاً لوگ آج حضور ﷺ کا میلاد منانے، اسے Celebrate کرنے پر اعتراض کرتے ہیں اور اسے غیر متعلقہ Irrelevant سمجھتے ہیں۔ حالانکہ میلاد صدیوں سے پوری امت مسلمہ Celebrate کرتی آرہی ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کے لوگوں نے اس کو تخلیق نہیں کیا بلکہ مکہ و مدینہ اور عرب و عجم کے لوگ ہمیشہ سے اس کا انعقاد و اہتمام کرتے آرہے ہیں اور یہ اسلام کی وراثت (Legacy) ہے۔ اسی طرح یہی معاملہ ذکرِ امام حسینؓ کا ہے۔ اگر 50/40 سال پیچھے چلے جائیں تو ہمارے ذہن میں زمانہ ماضی کی یہ چیزیں ابھی تک ثبت ہوں گی کہ کوئی علاقہ، گوشہ، خطہ ایسا نہ تھا کہ جب محرم کے ایام آتے یا شب عاشور آتی تو ہر مسجد، ہر گلی و کوچہ، ہر جگہ ذکرِ امام حسینؓ کی محافل نہ ہوتی ہوں۔ شہادت امام حسین کے جلسے ہوتے، اہلسنت اپنے عقیدہ و مسلک اور اپنے طور طریقے کے مطابق اور اہل تشیع اپنے عقیدہ و مسلک اور روایت و طریقے کے مطابق ان ایام کو مناتے۔

حُبِ اہلِ بیت، فتوؤں کی زد میں

اہل تشیع تو بدستور آج بھی اپنی روایت اور اپنے طریقے کے مطابق ان ایام کو مناتے چلے آرہے ہیں۔ مگر بدنصیبی کہ خارجیت، مادیت اور لامذہبیت نے اہلسنت کے عقائد پر گرد ڈال دی۔ جس ذوق و شوق اور رغبت و محبت سے اہل سنت والجماعت کے ہاں کثرت

سے ذکرِ حسینؓ کا اہتمام ہوتا تھا، اجتماع ہوتے تھے اب وہ جوش و خروش، تسلسل اور کثرت نہیں رہی۔ بدقسمتی سے پچھلے 20,30 سال کے اندر اس چیز کو فروغ دیا گیا کہ جو ماہ محرم میں یا شب عاشور کو شہادت حضرت امام حسینؓ کا جلسہ، مجلس، اجتماع یا ذکر کرے تو گویا وہ شیعہ ہے یا اس کے اندر تشیع ہے۔ سن لیں! یہ کہنے والے فتنہ پرور لوگ ہیں۔ اس سوچ کو فروغ دینے والے ہرگز اہلسنت والجماعت نہیں، وہ خارجی المذہب ہیں اور خوارج ہیں۔ انہوں نے اہلسنت کے عقائد کو پراگندہ کرنے اور اِن کے دلوں سے حُب رسول ﷺ اور حُب اہل بیتؓ نکالنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ ذکرِ حسینؓ کو صرف اہل تشیع کے کھاتے میں ڈال رکھا ہے کہ یہ ان کا کام ہے اور اگر اہل سنت ذکرِ حسینؓ کریں گے تو گویا وہ شیعہ ہیں۔

افسوس! لوگوں کے اندر اتنی اخلاقی کمزوری آچکی ہے کہ وہ اس تہمت کے ڈر کی وجہ سے ذکرِ حسینؓ کی مجالس کا جرأت کے ساتھ اہتمام نہیں کرتے حالانکہ تہمتیں جھوٹی ہوتی ہیں۔ پس لوگوں کی تہمت کے ڈر سے ہم میں سے کئی ذکر امام حسینؓ کی محافل منعقد نہیں کرتے اور نہ ان میں شریک ہوتے ہیں کہ لوگ شیعہ سمجھیں گے، فلاں مولوی یہ کہہ دے گا، شور مچ جائے گا، فلاں جماعت یہ کہہ دے گی، فلاں تحریک اور فلاں تنظیم یہ کہہ دے گی۔ یاد رکھیں! فتنہ بپا کرنے والے، جھوٹے فتوے لگانے والے، شرانگیزی کرنے والے، لوگوں کے عقائد کو طرح طرح کے حملے سے منتشر کرنے والے اور راہ حق سے ہٹانے والے لوگ ہمیشہ دنیا میں رہے ہیں۔ خارجی فکر تو تسلسل سے ہر صدی میں موجود رہی ہے۔ آج جن لوگوں نے مسلمانوں اور امت مسلمہ کے خلاف ہتھیار اٹھا رکھے ہیں، وہ یہی خارجی ہیں جنہوں نے امن کی راہ چھوڑ دی ہے۔ یہ حُب رسول ﷺ اور حُب اہلبیت کے خلاف ایک محاذ ہے۔ اہلسنت والجماعت کو فقط حُب صحابہ تک محصور کر دیا ہے جبکہ اہل سنت والجماعت کا تشخص یہ تھا کہ حُب اہل بیت اور حُب صحابہ دونوں کو جمع کرنا اہل سنت کے ہاں ایمان تھا۔ دونوں کو جمع رکھنا یہ اہلسنت کا امتیاز اور تشخص تھا۔ آج اہل بیت کی محبت اور مؤدت کے ذکر کو بتدریج مختلف حیلوں بہانوں سے دلوں سے نکالا جا رہا ہے۔

شب عاشور ذکر اہل بیت کیلئے خاص مگر افسوس۔۔

میں خود گواہ ہوں کہ بہت عرصہ پہلے کی بات ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے خارجی فکر کو قبول کرلیا تھا، ذکر اہلبیت کو بہت عرصہ پہلے سے رد کر چکے تھے، جن کے ہاں خارجی فکر کا تسلسل چلا آرہا تھا، وہ بھی 8، 9 اور 10 محرم کو اجتماع کرتے۔ اپنے علماء، واعظین، خطباء اور مناظر کو بلاتے مگر شب عاشور میں ان کے خطبات کے موضوعات شہادتِ امام حسینؓ، اہل بیت کے فضائل، شہداء کربلا کی صبر و استقامت نہ ہوتا تھا بلکہ وہ سیدنا فاروق اعظمؓ کی شہادت، سیدنا عثمان غنیؓ کی شہادت، حضرت امیر معاویہؓ کے مناقب پر خطابات کرتے تھے۔ یہ سب میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا ہوا ہے۔ موقع شہادت امام حسینؓ، شہدائے کربلائے معلیٰ اور ذکر و مؤدت اہلبیت کا ہے، حُب اہلبیت کے پیغام کو لوگوں کے دلوں میں اجاگر کرنے کا موقع ہے مگر یہ ساری رات حضرت امیر معاویہؓ کی شان میں تقاریر کرتے اور آپؓ کے مناقب بیان کرتے۔ اِن اصحابِ مصطفیٰ ﷺ کی شان بیان کرنا منع نہیں، اُن کے مناقب کا اظہار مسلّمہ ہے مگر جو طریقہ و موقع ہے اس کے مطابق بات کرنا چاہئے۔

مراد یہ ہے کہ جس کی شہادت کا وقت ہے، جن کی وفات کا ذکر ہے، اس تاریخ کی مناسبت سے ان کا ذکر کیا جائے۔ جس طرح ہم اہل سنت ربیع الاول میں میلاد مصطفیٰ ﷺ۔۔۔ ربیع الثانی میں حضور سیدنا غوث الاعظمؒ کے فضائل۔۔۔ رجب میں معراج النبی ﷺ۔۔۔

محرم میں شہادت امام حسینؓ۔۔۔ ۲۱ جمادی الثانی کو یوم سیدنا صدیق اکبرؓ۔۔۔ یکم محرم کو یوم سیدنا فاروق اعظمؓ۔۔۔ 18 ذوی الحجہ کو یوم سیدنا عثمان غنیؓ۔۔۔ 21 رمضان المبارک کو یوم سیدنا علیؓ۔۔۔ 3 رمضان کو یوم سیدہ کائناتؓ کا اہتمام کرتے ہیں۔ یعنی جب جس شخصیت و ہستی کا موقع آئے، اس موقع پر بالخصوص ان کی یاد میں محافل کا اہتمام کیا جائے۔ یہ کیا طرزِ فکر و عمل ہے کہ موقع شہادت امام حسینؓ کا ہے، ذکر علی اکبرؓ اور ذکر علی اصغرؓ کا ہے، موقع ذکر امام زین العابدین اور ذکر سیدہ زینب رضی اللہ عنہم کا ہے، موقع ذکر اہل بیت کا ہے اور تم حضرت امیر معاویہؓ کا ذکر کررہے ہو اور پھر بات یہاں تک نہیں رکتی بلکہ ان کے ساتھ بدبخت اور لعین یزید کا ذکر بھی کرتے ہیں۔

اب حالت یہ ہوچکی ہے کہ خود کو اہل سنت والجماعت اور فخر سے بریلوی کہلوانے والے علماء بھی شب عاشور مناقبِ حضرت امیر معاویہؓ بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ میں نے خود کچھ عرصہ قبل اس طرح کے ایک نامور مناظر عالم دین کا شب عاشور کے موقع پر اس موضوع پر خطاب انٹرنیٹ پر دیکھا اور سنا۔ ایسے لوگوں کے عقیدے اور ایمان کی موت واقع ہوگئی ہے۔ ایسے موقع پر اس ذکر کرنے کا سبب بغضِ اہل بیت کے سواء کچھ نہیں ہے۔ میں حضرت امیر معاویہؓ کی تعظیم و تکریم اور احترام کرتا ہوں۔ ہر بار ان کے اسم گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہتا ہوں۔ ہم ان پر سب و شتم اور لعن طعن کو حرام جانتے ہیں۔ صحابی رسول ﷺ ہونے کی وجہ سے سکوت اور خاموشی کو واجب جانتے ہیں۔ مگر امام حسینؓ کی شہادت کے موقع پر حضرت امیر معاویہؓ کے مناقب کے بیان کا باہمی کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ ایسے موقع پر اگر ان کے مناقب بیان کئے جارہے ہوں تو تھوڑی سی عقل سوجھ بوجھ رکھنے والا بھی جان جاتا ہے کہ اس کا سبب فقط بغضِ اہل بیت ہے۔ دلوں سے حُب اہل بیت نکالی جارہی ہے اور بغضِ اہل بیت داخل کیا جارہا ہے۔

ذکرِ حسینؓ، عمومِ سنتِ الٰہیہ میں شامل ہے

نہ جانے کتنے لوگ اس فتنے، شر اور خارجیت کی اس گرد سے متاثر ہوچکے ہوں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس بات کو سمجھا جائے کہ ذکر امام حسینؓ کیوں ضروری ہے؟ اگر ذکر امام حسینؓ ضروری نہیں اور شہادت امام حسینؓ کا تذکرہ اور ذکر اہل بیت ضروری نہیں تو پھر آقا علیہ السلام کی امت میں کسی کا ذکر بھی ضروری نہیں ہے کیونکہ ذکر حسینؓ حقیقت میں خود ذکر مصطفی ﷺ ہے۔ شہادت امام حسینؓ حقیقت میں سیرت محمدی ﷺ کا ایک باب ہے۔ یہ واحد ایک ایسی شہادت ہے جس کا تفصیلی ذکر خود آقا علیہ السلام نے اپنے صحابہ کرامؓ کے سامنے فرمایا۔

اس کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک اور صلحاء بندوں کا ذکر کرنا سنت الٰہیہ ہے۔ ذکر حسینؓ کرکے درحقیقت ہم سنت الٰہیہ پر عمل پیرا ہیں۔

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں جابجا اپنے نیک و صلحاء بندوں کے ذکر کرنے کا حکم دیا۔ کبھی فرمایا:

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ ۔۔۔ کبھی فرمایا: وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۔۔۔ کبھی فرمایا: وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۔۔۔

گویا اللہ پاک نے اپنے محبوب بندوں حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت ادریسؑ کے ذکر کا حکم دیا۔ قرآن مجید میں صرف ان بندوں کے ذکر کا حکم ہی نہیں دیا گیا بلکہ کثرت کے ساتھ ان کے اذکار بھی آئے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جابجا کثرت کے ساتھ قرآن مجید میں اپنی ان نعمتوں کا ذکر کیا ہے جو ان بندوں پر فرمائیں۔ یعنی ان کا ذکر بھی کیا اور ان پر جو نعمتیں کیں ان کا ذکر بھی کیا، تاکہ ان کی شانیں اجاگر ہوں۔ حتی کہ ان کے ساتھ جنھوں نے دشمنی

کی، ان کے مظالم کا ذکر بھی کیا۔ یہ مظالم کرنے والے اپنے اپنے دور کے یزید ہی تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے دور کا یزید، نمرود تھا، حضرت موسیٰؑ کے دور کا یزید فرعون تھا۔

درحقیقت ہم ذکر حسینؓ سے اللہ رب العزت کی سنت پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ہم اللہ کے محبوب بندے حضرت امام حسینؓ کی شان و عظمت کا ذکر کرتے ہیں۔۔۔ آپؓ کی صبر و استقامت کا ذکر کرتے ہیں۔۔۔ آپؓ پر اللہ کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہیں۔۔۔ آپؓ کے دشمن یزید کے ظلم اور جبر کا ذکر کرتے ہیں، یعنی عین وہ عمل جو قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے اپنے محبوبوں کے ساتھ کیا ہے ہم بھی اسی سنت الٰہیہ پر عمل کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں فرعون کے مظالم کا ذکر یوں بیان ہوا۔ ارشاد فرمایا:

وَاِذْ نَجَّیْنٰـکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَ کُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَ کُمْ.

’’اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے تمہیں قومِ فرعون سے نجات بخشی جو تمہیں انتہائی سخت عذاب دیتے تھے تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے‘‘۔ (البقرہ: ۴۹)

پھر حضرت موسیٰؑ پر جو نعمتیں کیں، اُن کو بیان فرمایا:

وَظَلَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی. (البقرہ:۵۷)

’’اور (یاد کرو) جب ہم نے تم پر (وادئ تیہ میں) بادل کا سایہ کیے رکھا اور ہم نے تم پر مَنّ و سلوٰی اتارا‘‘۔

ان تمام تذکروں کو علوم القرآن میں علم التذکیر بالآء اللہ کہتے ہیں۔ یہ قرآن مجید کے علوم اور مضامین میں سے ہے۔ اسی طرح علم التذکیر بایام اللہ ہے۔ خاص خاص ایام کا ذکر کرنا، خاص خاص واقعات کا ذکر کرنا، خاص خاص ہستیوں کا ذکر کرنا، ان کے ساتھ بیتے ہوئے واقعات کا ذکر کرنا یہ سب قرآن مجید کے مضامین کا حصہ ہیں۔ واقعہ کربلا چونکہ نزول وحیٔ قرآن کے ختم ہوجانے کے بعد ہوا لہٰذا یہ عموم سنت الٰہیہ کے تحت آئے گا۔

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں حضرت آدمؑ کی تخلیق اور دیگر تفصیلات بیان کیں۔۔۔ حضرت اسماعیلؑ کے اللہ کی راہ میں ذبح ہونے کو بیان فرمایا اور اُسے ذبح عظیم قرار دیا۔ وہ نبوتِ ابراہیمیؑ کی ذبح عظیم ہے اور شہادت حسینؑ نبوتِ محمدی ﷺ، رسالت محمدی ﷺ اور سیرت محمدی ﷺ کی ذبحِ عظیم ہے۔ ذبحِ اسماعیل کے سلسلہ میں خواب سنانا۔۔۔ بیٹے کی طرف سے خواب پر عملدرآمد کا کہنا۔۔۔ منیٰ کے میدان میں شیطان کا آنا۔۔۔ آپؑ کا شیطان کو کنکریاں مارنا۔۔۔ حضرت اسماعیلؑ کو زمین پر لٹانا اور چھری چلانا۔۔۔ باپ اور بیٹے کا آپس میں کلام کرنا۔۔۔ یہ تمام جزئیات تک قرآن مجید میں بیان ہوئی ہیں۔ ایسا کیوں ہے۔۔۔؟ کیا قرآن مجید کوئی ناول ہے معاذ اللہ؟ کیا قرآن مجید کوئی تاریخ کی کتاب ہے؟ کیا قرآن مجید کچھ لوگوں کی Biography ہے؟ ان چھوٹے چھوٹے واقعات کو بیان کرنے کا آخر مقصد کیا ہے؟ ایک آیت میں مختصر بات بھی تو ہوسکتی تھی۔

امام حسینؓ، مصطفیٰ ﷺ کے یوسف ہیں!

اسی طرح حضرت نوحؑ، حضرت لوطؑ، حضرت ہودؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور پھر سب سے بڑھ کر حضرت یوسف علیہ السلام کا تفصیلی ذکر بھی اسی انداز میں ملتا ہے کہ جزئیات تک کو بیان کیا گیا۔ سورۃ یوسف قرآن مجید کی سورۃِ محبت ہے، جو آدابِ محبت اور طہارت محبت سکھاتی ہے۔ سورہ یوسف کی روشنی میں تذکرہ کربلا اور ذکر حسینؓ کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ وہ یوسفؑ حضرت یعقوب کے یوسف ہیں، جبکہ حسینؓ، مصطفیٰ ﷺ کے یوسف ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت یعقوب کے یوسفؑ کا ذکر اتنا زیادہ کرے جبکہ امت مسلمہ تاجدار کائنات ﷺ کے یوسف کا ذکر کرنے سے کترائے اور

گھبرائے تو ایسے تعلقِ غلامی کے دعویٰ پر لعنت ہے۔ اگر حضور ﷺ کے یوسف کے ذکر سے کوئی گھبرائے اور کترائے تو کیسی غلامی اور کیسی نسبت؟ یاد رکھیں کہ امام حسینؑ کا جتنی بار ذکر ہوگا، خدا کی قسم! اتنی بار حضور ﷺ کا دل خوش ہوگا۔۔۔ آقا ﷺ کی دعائیں نصیب ہوں گی۔۔۔ ان کے چہرہ اقدس پر فرحت و مسرتیں کھل جائیں گی کہ میرے حسین کا ذکر ہو رہا ہے۔ جس کو میں کندھے پر بٹھاتا تھا۔۔۔ جس کو سینے پر لٹاتا تھا۔۔۔ جس کے منہ میں زبان ڈال کر چساتا تھا۔۔۔ جس کو اپنا سوار بناتا تھا، میری امت میرے اس حسینؑ کا ذکر کر رہی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کے ذکر کو کس طرح بیان فرمایا۔ آیئے اس کی ایک جھلک دیکھتے ہیں: قرآن مجید میں حضرت یوسفؑ کی خواب کا ذکر۔۔۔ بھائیوں کے ناروا سلوک کا ذکر۔۔۔ بھائیوں کے شکار کرنے کا ذکر۔۔۔ باپ سے جو گفتگو ہوتی ہے،

احادیث صحیحہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ جس طرح قرآن مجید کو نظر انداز کرنا جرم ہے اسی طرح محبتِ اہل بیت کو نظر انداز کر دینا بھی جرم ہے

ان کلمات کا ذکر۔۔۔ باپ کے ڈر اور خدشہ کا ذکر کہ بھیڑیا کھا جائے گا۔۔۔ جنگل میں بے آباد کنویں میں گرانے کا ذکر۔۔۔ جھوٹا خون لگانے کا ذکر۔۔۔ قافلے کے آنے کا ذکر۔۔۔ کنویں سے نکالے جانے کا ذکر۔۔۔ مصر میں بیچ دینے کا ذکر۔۔۔ آپ کے جوان ہونے تک کا ذکر۔۔۔ عزیز مصر کی بیوی کے آپ پر فریفتہ ہونے کا ذکر۔۔۔ اس کے مطالبہ پر آپ کے بچ کر چلے جانے کا ذکر۔۔۔ قید کا ذکر۔۔۔ خواب کی تعبیر بتانے کا ذکر۔۔۔ قید سے باہر نکلنے کا ذکر۔۔۔ مصر کی عورتوں کو بلوا کر ان کو پھل تھمائے جانے اور چھریاں دیئے جانے کا ذکر۔۔۔ حتی کہ زنانِ مصر کی انگلیاں کٹ جانے تک کا ذکر موجود ہے۔

سوال یہ ہے کہ ان تمام تفصیلات سے احکام شریعت اور حلال و حرام کے کون سے احکام اخذ ہوتے ہیں۔۔۔؟ کیا ان سے نماز، روزہ، حج زکوٰۃ کی تعلیمات میسر آتی ہیں۔۔۔؟ کیا توحید، رسالت، ایمان باللہ، ایمان بالآخرت، ایمان بالملائکۃ، ایمان بالوحی اور ایمان بعث بعد الموت کے عقائد معلوم ہوتے ہیں۔۔۔؟ اگر بے شمار چیزیں جو بنیادی اور اساسی نوعیت کی ہیں اگر وہ براہ راست ان واقعات سے متعلق نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کیوں بیان فرمایا ہے؟ پوری سورت کا ایک زیادہ حصہ ان واقعات پر مشتمل ہے، کیوں؟ انگلیاں کٹنے کے واقعے سے شریعت کے کتنے حلال و حرام، فرائض واجبات اور سنتیں معلوم ہوتی ہیں؟

دراصل ان آیات میں مذکور جزئیات سے حضرت یوسفؑ کے صبر، طہارت، استقامت، عظمت، شان اور مضبوطیٔ کردار کا پتہ چلتا ہے۔ ان تمام تفصیلات سے یہ سنت بنائی جا رہی ہے کہ میرے محبوب ﷺ کا بھی ایک یوسف ہوگا۔ بنی اسرائیل کے زمانے کے یعقوبؑ کے یوسف کا ذکر جس طرح میں نے قرآن مجید میں کیا، اس طرح جب میرے محمد مصطفیٰ ﷺ کا یوسف آئے اور وہ مدینے سے چل کر کربلا پہنچے تو اس کا سفر بھی غیر آباد کنویں سے نکل کر مصر میں بکنے تک کے سفرِ یوسف سے کم نہ ہوگا۔ وہ مصر میں بکا ہے اور اس حسین، یوسف محمد ﷺ کا سر نیزے پر چڑھا ہے۔۔۔ اس نے بھی کربلا سے کوفے اور دمشق تک کا سفر کیا ہے اور لٹا قافلہ لے کر یہاں بھی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کوفہ اور دمشق سے واپس مدینہ پہنچی ہیں۔

اللہ نے سب کچھ اس لئے بیان کیا کہ میری سنت کو دیکھ لینا اور میرے طریقے کا حیاء کرنا۔ اگر میں

یوسفِ یعقوبؑ کا ذکر یوں کررہا ہوں تو تم بھی عمر بھر یوسفِ محمد ﷺ کا ذکر اس طرح کرنا۔ حضرت یوسف علیہ السلام خدا کے محبوب بندے ہیں، مشکلات سے گزرے ہیں لہذا رب نے ان کی ساری مشکلات کو قرآن کا مضمون بنادیا ہے۔ ذرا سوچیے! حسینؓ سے زیادہ محبوب اس امت میں مصطفیٰ ﷺ کو اور کون ہوگا؟ کربلا امام حسینؓ پر آنے والی مشکلات و مصائب کی ایک داستان ہے۔ اس کے ذکر کرنے سے خدا اور رسول ﷺ کتنے خوش ہوں گے اس کا اندازہ لگانا ہی ناممکن ہے۔

ذکرِ حسینؓ ایمان میں استحکام کی علامت

چونکہ شہادت امام حسین کا ذکر آقا علیہ السلام نے کئی مرتبہ خود کیا اور احادیث نبوی میں مذکور ہے تو گویا ذکر شہادتِ حسین حدیث و سنت رسول ﷺ بھی ہے۔ یعنی عموم سنت کے معنی میں یہ سنت الٰہیہ میں سے ہے جیسے سورۃ یوسف کے اطلاق کے ذریعہ بیان کیا اور واضح طور پر یہ سنت رسول ﷺ ہے۔

یاد رکھ لیں کہ ان ہستیوں کو ہمیشہ یاد رکھنا، ان کی شان، عظمت، عزم و استقامت، صبرو استقلال، تعلیمات اور ان کے اس پورے اقدام کی غرض و غایت کو یاد رکھنا، یہ ایمان میں استحکام کا باعث ہے۔۔۔ اس سے محبت میں مضبوطی نصیب ہوتی ہے۔۔۔ محبت کو جلا ملتی ہے۔۔۔ ایمان کو زندگی اور تازگی نصیب ہوتی ہے۔ لہذا طبیعتوں میں یہ رجحان پیدا کریں کہ جب ان کا ذکر سنیں، ان سے محبت کریں، ان کا پیغام سنیں تو جتنا ہوسکے ان کے پیغام کو زندگی میں نافذ اور جاری و ساری کریں۔ اس طرح محبت سے شروع ہونے والا سفر اتباع پر ختم ہوتا ہے۔ یعنی محبت حسینؓ اور اتباع حسینؓ دونوں یکجا ہوں تو اس ذکر کا مقصود پورا ہوتا ہے۔

محبتِ اہل بیتؓ احادیث مبارکہ کی روشنی میں

حضور نبی اکرم ﷺ نہ صرف عملاً اہل بیت سے محبت و شفقت کا والہانہ اظہار فرماتے بلکہ اپنے فرامین میں صحابہ کرامؓ کے ذریعے امت مسلمہ کو بھی محبت اہل بیت کے احکامات صادر فرمائے۔ حضرت زید بن ارقمؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَنْشُدُکُمُ اللّٰہ فِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ قال مرتین.

(کنزالعمال، ج ۱۳، ص ۶۷۲، حدیث نمبر ۳۷۶۲۴)

لوگو! میں تمہیں اللہ یاد دلاتا ہوں، میری اہل بیت کی محبت، مودت اور ان کے ساتھ معاملے کو سامنے رکھتے ہوئے اللہ سے ڈرنا اور اس کو یاد رکھنا۔ اس کو آپؐ نے دو بار دہرایا۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

اُذَکِّرُکُمُ اللّٰہ فِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ قال ثلاث.

(صحیح مسلم، ج ۴، حدیث نمبر ۲۴۰۸)

میں تمہیں اپنی اہل بیت کے معاملے میں حکم دیتا ہوں کہ اللہ کو یاد رکھنا یعنی جب میری اہل بیت کا ذکر آئے تو خدا خوفی کرنا۔ یہ آپؐ نے تین بار کہا۔

اس حدیث کے حوالے سے دو باتیں نہایت اہم ہیں: اول یہ کہ کسی مکتب فکر کا کوئی بھی شخص جو اہل سنت والجماعت ہونے یا سلفی ہونے یا اہل حدیث ہونے کا دعویدار ہے، وہ اس حدیث کی صحت سے انکار نہیں کرسکتا۔ یہ کسی نچلے درجے کی حدیث کی کتاب سے نہیں بلکہ صحیح مسلم کی حدیث صحیح ہے۔

دوم یہ کہ یہ جاننا ہوگا کہ یہ فرماتے ہوئے حضور ﷺ کا منشاء کیا تھا؟ آقا ﷺ کے اس فرمان کو اقرباء پروری نہیں کہیں گے، اس لئے کہ اگر کوئی ایک سیکنڈ کے لئے بھی یہ خیال ذہن میں لائے تو وہ کافر ہوگیا اس لئے کہ یہ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی ہے کہ کوئی حضور ﷺ کے کسی حکم اور عمل کو اقرباء پروری سے معاذ

اللہ منسوب کرے۔ آقا علیہ السلام کی زبان پاک سے نکلا ہوا ہر لفظ اور ہر حکم ایمان ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔

اس فرمان کے ذریعے درحقیقت آقا علیہ السلام اپنی اہل بیت کے ساتھ محبت اور مؤدت کی نہ صرف تاکید کررہے ہیں بلکہ اسے امت مسلمہ پر لازم ٹھہرا رہے ہیں۔ اب جو کوئی آقا علیہ السلام کا نام لیوا ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان پر عمل پیرا ہو۔ اگر کسی کے دل میں بغضِ اہل بیت ہے، ذکر حسینؑ سے انکاری ہے تو وہ آقا ﷺ کے اس فرمان کی روشنی میں اپنے دل سے اس کدورت کو نکال دے اور ذکر حسینؑ و مؤدت اہل بیت کے ذریعے حضور ﷺ کے لئے فرحت و شادمانی کا باعث بنے۔

☆ حضرت زید بن ارقمؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو فرمایا:

اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمْ ثَقْلَیْنِ اِنْ اَخَذْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا کِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلَ بَیْتِیْ فَانْظُرُوْا کَیْفَ تَخْلُفُوْنِیْ فِیْهِمَا. (جامع ترمذی، ج۵،ص۶۶۲، حدیث نمبر۳۷۸۶/۳۷۸۸)

”لوگو میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، اگر تم نے اِن دونوں کو تھامے رکھا تو گمراہ نہ ہوگے: کتاب اللہ اور میری اہل بیت۔ دیکھنا! میرے بعد تم اِن دونوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو“۔

یعنی ان چیزوں میں بڑا عظیم وزن ہے، ان کو ہلکا نہ جاننا۔ ثقلین فرماکر آپ ﷺ نے ذکر، محبت اور مؤدتِ اہلِ بیت کی اہمیت کو اجاگر فرمایا کہ ان کو ہلکا نہ جاننا، اسے نظرانداز نہ کردینا، یہ نہ سمجھنا کہ یہ ضروری نہیں۔

یاد رکھیں! دین ہم نے نہیں بنایا بلکہ اللہ نے بھیجا اور رسول ﷺ نے ہمیں پہنچایا ہے۔ آپ ﷺ کا محبتِ اہلِ بیت اور محبتِ حسینؑ پر رویہ، رجحان اور تعلیمات اس امر کی عکاسی کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے اس موضوع کو حد درجہ اہمیت دی تب ہی متعدد مواقع پر اس کی تاکید فرمارہے ہیں۔

آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس حدیث صحیح اور حکم صحیح کی روشنی میں یہ بات طے ہوئی کہ جس طرح قرآن مجید کو نظرانداز کردینا جرم ہے، اسی طرح محبت و مؤدت اہلِ بیت کو نظرانداز کردینا جرم ہے۔

قرآن مجید کو نظرانداز کرنا یہ ہے کہ کوئی قرآن کی تلاوت نہ کرے، اس سے محبت نہ کرے، اس کی تعلیم نہ لے، قرآن کو اپنی زندگی میں جاری نہ کرے، قرآن سے تعلق توڑ لے، قرآن کی طرف رجوع نہ رکھے۔ ایسا کرنے والا گمراہ ہوگیا۔ اہل بیت نبوت کو نظرانداز کرنا یہ ہے کہ ان کی محبت اور مؤدت اس کے دل میں موجود نہ ہو۔۔۔ ان کی تعظیم و تکریم نہ کرے۔۔۔ ان کے ذکر سے الفت نہ رہے۔۔۔ ان کا احترام و اکرام نہ رہے۔۔۔ انکی عظمت اور شان دل میں نہ رہے۔ ایسا کرنا بھی سراسر گمراہی ہے۔ جس طرح قرآن مجید کی تلاوت سے لذت و حلاوت ایمان نصیب ہوتی ہے اس طرح ذکر اہل بیت سے بھی دلوں میں لذت اور حلاوت آنی چاہئے۔ جس شخص کو اہل بیت کے ذکر سے حلاوت، لذت اور کیفیت محسوس نہ ہو، وہ حلاوت ایمانی سے محروم ہے۔ حضور ﷺ نے اسی لئے قرآن مجید اور اہل بیت کو اکٹھا بیان کیا کہ دیکھنا! میرے بعد ان دونوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو۔۔۔؟ میرا کتنا حیاء کرتے ہو۔۔۔؟

محبتِ اہل بیت میں صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل

صحابہ کرامؓ کا اہل بیت کے ساتھ کس نوعیت کا محبت و مؤدت کا رشتہ تھا۔۔۔؟ آیئے اس پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ اس سے یہ تعین ہوجائے گا کہ اس کو محض اہل تشیع کا شعار قرار دیں یا عقیدۂ اہل سنت کی اساس و بنیاد مانیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے فرامین کی روشنی میں صحابہ کرامؓ کا محبت و مودت اہل بیت کا رویہ نہایت اعلیٰ و ارفع تھا:

☆حضرت عقبیٰ بن حارث روایت کرتے ہیں کہ

رایت ابی بکرؓ وحمل الحسن وهو یقول بابی شبیه بالنبی لیس شبیه بعلی وعلی یضحک.

(صحیح بخاری، ج ۳، ص ۱۳۷۰، الرقم: ۳۳۴۹/۳۵۴۰)

''میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سیدنا صدیق اکبرؓ گلی میں جارہے ہیں اور سیدنا امام حسنؓ کو اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے اور کہہ رہے کہ مجھے اپنے باپ کی قسم کہ حسن، مصطفیٰ ﷺ کی شبیہ ہے، علی تمہاری شبیہ نہیں ہے۔ حضرت علی یہ سن کر ہنس دیئے''۔

سوال یہ ہے کہ کندھوں پر اٹھا کر کیوں چل رہے ہیں؟ ان کے اپنے بیٹے بھی تھے۔ میں نے زندگی میں کسی کتاب میں نہیں پڑھا کہ وہ اپنے بیٹوں کو کندھے پر اٹھا کر گلیوں میں چل رہے ہوں۔ نواسۂ مصطفیٰ ﷺ کو اٹھا کر چل رہے ہیں، کیوں؟ اس لئے کہ مصطفیٰ ﷺ کو دیکھا تھا کہ وہ حسن وحسین کو کندھوں پر بٹھا کر گلی میں چلتے ہیں۔ گویا وہ سمجھتے تھے کہ حُب رسول کا تقاضا یہ ہے کہ جس سے مصطفیٰ ﷺ نے محبت کی اس سے ہم بھی محبت کریں۔ جس کو مصطفیٰ ﷺ نے کندھے پر بٹھایا اسے ہم بھی کندھے پر بٹھائیں۔

☆ دوسری روایت میں ہے کہ ایک کندھے پر امام حسنؓ کو اور ایک پر امام حسینؓ کو بٹھا کر گلی میں چل رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ خدا کی قسم حسن اور حسین علی کی نہیں بلکہ مصطفیٰ ﷺ کی شبیہ ہیں۔

☆ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ کی قرابت مجھے اپنی قرابت سے زیادہ پیاری ہے۔

☆صحیح بخاری میں ہے کہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے فرمایا:

اُرۡقُبُوا مُحَمَّدًا فِیۡ اَهلِ بَیۡتِهٖ فَمَعۡنَاهُ اَیۡ اُنۡظُرُوۡاهُ وَاحۡسِنُوۡا هُ فی اهۡلِ بَیۡتِی.

(صحیح بخاری، ص ۱۳۷۰، حدیث نمبر ۳۵۴۱)

یعنی حضور ﷺ کی اہل بیت میں مصطفیٰ ﷺ کو دیکھنا۔۔۔ حضور ﷺ کی اہل بیت میں حضور ﷺ کا نظارہ کرنا۔۔۔ حضور ﷺ کی اہل بیت کے تعلق میں حضور ﷺ کا حیاء کرنا۔۔۔ حضور ﷺ کی اہلبیت کی محبت، مودت، عزت و احترام کے ذریعے حضور ﷺ کو خوش کرنا۔ یعنی اہل بیت کے آئینے میں حضور ﷺ کو دیکھنا۔ جب بھی اہل بیت کے کسی شہزادے سے تعلق کا وقت آئے، علی شیر خدا ہوں یا سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ ہوں۔۔۔ امام حسن مجتبیٰؓ ہوں یا امام حسینؓ ہوں۔۔۔ زین العابدینؓ ہوں یا امام محمد باقرؓ ہوں۔۔۔ جعفر الصادقؓ ہوں یا موسیٰ کاظمؓ ہوں۔۔۔ جب آقا ﷺ کی آل پاک اور اہل بیت اطہار کو دیکھو تو ایمان یہ ہے کہ ان کے آئینے میں تمہیں مصطفیٰ ﷺ کا چہرہ نظر آئے۔ پس جب ان کا حیاء کرو تو تمہیں پتا ہو کہ ان کا نہیں بلکہ مصطفیٰ ﷺ کا حیاء ہورہا ہے۔۔۔ ان سے مؤدت نہیں بلکہ مصطفیٰ ﷺ سے مؤدت ہورہی ہے۔۔۔ ان سے محبت نہیں بلکہ مصطفیٰ ﷺ سے محبت ہورہی ہے۔۔۔ ان کی تعظیم نہیں بلکہ مصطفیٰ ﷺ کی تعظیم ہورہی ہے۔۔۔

گویا سیدنا صدیق اکبرؓ نے یہ اصول وضع کردیا کہ اگر تم صاحب ایمان ہو تو اہل بیت کے اندر تمہیں ذات مصطفیٰ ﷺ دکھائی دینی چاہئے۔ اہل بیت ایک آئینہ ہے، اس آئینے میں چہرۂ مصطفیٰ ﷺ دکھائی دے۔ اس لئے کہ ان سے محبت حضور ﷺ سے محبت ہے۔ یہ عقیدہ اہل سنت ہے۔ اگر ارقبوا محمدا فی اهل بیته کی روش نہیں تو آپ کا تعلق سیدنا صدیق اکبرؓ کے ساتھ بھی نہیں اور جو سیدنا صدیق اکبرؓ کا نہیں وہ کہاں کا اہلسنت ہے؟ وہ خارجی ہے، بے ایمان ہے۔ جسے حکم رسول ﷺ کا حیاء نہیں، اس کا اہلسنت سے کوئی تعلق نہیں۔

یہی عمل جمیع صحابہ کرامؓ کا تھا۔ یہ ایک الگ مضمون ہے میرے اس موضوع پر بہت سے خطاب ہیں۔ جن سے استفادہ کرسکتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی اہل بیت سے عقیدت

قاضی عیاض نے الشفاء میں، امام سخاوی نے الاستجلاب میں اور دیگر بہت سی کتبِ سیرت اور اسماء رجال کی تمام کتب میں ہے کہ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے پوتے امام عبداللہ بن حسن المثنیٰ بن الامام حسن المجتبیٰ خود روایت کرتے ہیں کہ میں کسی کام کے سلسلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (جن کو خلیفہ خامس بھی کہتے ہیں) کے پاس گیا۔ میں اُن سے چھوٹا تھا مگر وہ مجھے دیکھ کر فوری کھڑے ہوگئے، میری حاجت پوری کی اور پھر مجھ سے دست بستہ عرض کرنے لگے:

اِذَا کَانَ لَکَ حَاجَةٌ فَاَرْسِلْ اِلَیَّ اَوِاکْتُب.

آئندہ خدا کے لئے میرے پاس نہ آنا، کوئی کام ہوتو بس ایک چٹ لکھ کر بھیج دیا کریں یا کسی بندے کو بھیج دیں، آپ کے حکم کی تعمیل ہوجائے گی۔

فَاِنِّیْ اَسْتَحْیِ مِنَ اللّٰهِ اَنْ یَّرَاکَ عَلٰی بَابِیْ.

آپ کو اپنے دروازے پر دیکھ کر مجھے حیاء آتا ہے۔ قیامت کے دن خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔

☆ امام سخاوی نے الاستجلاب (۵۷۴/۲) میں بیان کیا ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ بنت علی ابن ابی طالب روایت کرتی ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینہ کے گورنر تھے۔ کسی ضرورت سے میں ان کے پاس گئی۔ ان کو میری آمد کی اطلاع ملی اور آپ فوری دوڑ کر دربار سے باہر نکل آئے اور کہنے لگے:

یَا ابْنَتَ عَلِی وَاللّٰهِ مَاعَلٰی ظَهْرِ الْاَرْضِ اَهْلُ بَیْتٍ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْكُمْ وَ لَا اَنْتِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَهْلِ بَیْتِیْ.

’’اے علی المرتضیٰ کی شہزادی! خدا کی قسم روئے زمین پر آپؓ حضور ﷺ کی اہل بیت ہیں آپ سے بڑھ کر کائنات کا کوئی گھرانہ میرے نزدیک محبوب نہیں ہے حتی کہ میرے اپنا گھرانہ میری اولاد بھی آپ پر قربان۔ ان سے بھی زیادہ آپ اعزواحب واکرم ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک کام اُن سے کہا، وہ کام کردیا۔ اس کے بعد یہ کہا جو آپ ہمیشہ اہل بیت کے ہر شہزادے/شہزادی سے عرض کرتے تھے:

وَکَانَ یَطْلُبُ مِنْهُمْ اَنْ یَشْفَعَ لَهٗ فِیْ سَاعَةِ الْقِیَامَة.

آپ اہل بیت رسول ﷺ سے میری ایک درخواست ہے کہ قیامت کے دن میری شفاعت کردینا۔ مجھے بھول نہ جانا، وہاں بتانا کہ ہماری نوکری کرتا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے پوچھا گیا کہ یہ بنوہاشم ہیں، اہل بیت رسول ﷺ ہیں، کیا ان کی آنے والی نسلیں بھی شفاعت کریں گی؟ انہوں نے کہا:

مَامِنْ عَهْدٍ مِنْ بَنِیْ هَاشِمٍ اِلَّا وَلَهٗ شَفَاعَةٌ یَوْمَ الْقِیَامَة.

خدا کی قسم حضور کے خانوادہ پاک بنو ہاشم کے چھوٹے سے چھوٹے بچے کو بھی قیامت کے دن حق شفاعت ہوگا۔ قیامت والے دن جس کی وہ شفاعت کرے گا بخشا جائے گا۔ (اس کو امام اصفہانی نے الاغانی میں بیان کیا ہے۔ امام دنیوری نے المجالسہ میں بیان کیا ہے اور دیگر بہت سے ائمہ وعلماء نے اس کو بیان کیا ہے۔)

☆ اہل بیت اطہار کا کوئی بھی شہزادہ ہوتا، صحابہ کرامؓ اس کی تعظیم وتکریم میں اس روش کا اظہار کرتے۔ حضور ﷺ کے خاندان کے ساتھ کوئی نسبت، کسی کی رشتہ داری ہوتو صحابہ کرامؓ ان کے ساتھ بھی محبتوں بھرا سلوک کرتے۔

امام شعبیؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابتؓ کی والدہ کا انتقال ہوا۔ جنازے سے فارغ ہونے کے بعد اُن کی ضعیفی اور کمزوری کی وجہ سے ان کے لئے سواری (اونٹ) قریب کی گئی تاکہ انہیں بٹھایا جائے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ آگے بڑھے اور حضرت زیدؓ کے ادب و احترام کی بناء پر ان کے پاؤں کو رکاب میں رکھوانے کے لئے رکاب تھام لی۔ حضرت زید بن ثابتؓ جلیل القدر اکابر

صحابہؓ میں سے تھے اور عبداللہ ابن عباسؓ حضور کی اہلبیت میں سے بھی تھے مگر صغار صحابہ کرام میں سے تھے۔ حضرت زید بن ثابتؓ پیچھے ہٹ گئے اور فرمانے لگے کہ

اے ابن عباس ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے کہا:

هٰكَذَا نَفْعَلُ بِعُلَمَآئِنَا.

''ہم علماء کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں''۔

حضرت زید بن ثابتؓ تیزی سے جھکے اور

فَقَبَّلَ زَيْدًا يده.

حضرت عبداللہ ابن عباس کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا۔ انہوں نے پوچھا: آپ نے یہ کیا کیا؟ فرمایا:

هٰكَذَا اُمِرْنَا اَنْ نَفْعَلَ بِاَهْلِبَيْتِ نَبِينا.

''ہمیں یہ حکم ہے کہ مصطفیٰ ﷺ کی اہلبیت کے ساتھ ہم ایسا کیا کریں''۔

(اس واقعہ کو طبرانی نے مسند الکبیر میں روایت کیا ہے۔ امام ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں روایت کیا اور فرمایا کہ رجالہ رجال الصحیح۔ امام حاکم نے مستدرک میں روایت کرکے اس کو حدیث صحیح کہا۔ علامہ ذہبیؒ نے اس کی تائید کی کہ صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں بیان کیا۔ اسی طرح امام بیہقی نے بھی بیان کیا۔)

یہ اور اس طرح کے تمام واقعات اس امر کو واضح کرتے ہیں کہ صحابہ کرام، تابعین اور اکابرین کس طرح اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم سے محبت کا اظہار کرتے۔

(ائمہ اربعہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ اہل بیت اطہار سے کس درجہ محبت کرتے اور اس محبت کے اظہار میں اُن کی وارفتگی اور عقیدت کا کیا عالم ہوتا؟ یہ تمام بیان ان شاء اللہ اگلے شمارہ میں شائع کیا جائے گا۔)

(جاری ہے)

اظہار تعزیت

گذشتہ ماہ محترم سرفراز احمد خان (ناظم ممبر شپ) کے برادر نسبتی، محترم شاہد رضا (لائبریرین COSIS) کے چچا محترم رب نواز (ملتان ٹریفک حادثہ میں انتقال کرگئے)، محترم سعید الرحمٰن طاہر (ناظم دعوت) کی نانی، محترم عرفان یوسف (مرکزی صدر MSM) کا نومولود بیٹا، محترم محمد مظفر (سیکیورٹی سرچر مرکزی سیکرٹریٹ) کے کزن محترم مختیار احمد، محترم محمد اشفاق (سیکیورٹی گارڈ مرکزی سیکرٹریٹ) کے والد، محترم ندیم خالد (منہاج پرنٹنگ پریس) کے نانا جان، محترم مظہر علی (الیکٹریشن مرکزی سیکرٹریٹ) کے ماموں محترم محمد نواز (قتل کردیئے گئے)، محترم نصیر احمد بابر (لودھراں) کے والد محترم، محترم ماسٹر محمد امین (فیصل آباد) کی اہلیہ، محترم حاجی محمد بوٹا گجر (فیصل آباد) کا بھتیجا، محترم محمد حسیب (گوجرانوالہ) کی بیٹی، محترم سیٹھ منظور احمد (نوشہرہ ورکاں) کے بھائی، محترم میاں محمد سلیم (کامونکی) کی ہمشیرہ، محترم سید محسن علی شاہ گیلانی (PP-99)، محترم محمد جاوید (شاہ کوٹ) کے والد، محترم محبوب احمد نقشبندی (حافظ آباد) کی کزن، محترم محمد عرفان (PP-98)، محترم شوکت علی نیکو کارہ (ونیکے تارڑ) کی والدہ، محترم محمد یٰسین رحمانی (لودھرے) کی والدہ، محترم پیر سید میراں نواز گیلانی (پنڈی بھٹیاں) کی ہمشیرہ، محترم رانا سجاد احمد (گوجرانوالہ) کی والدہ، محترم محمد شاہد فاروق (تحصیل ناظم گوجرہ) کی والدہ اور محترم محمد شفیق (فوٹو کاپیئر) کے کزن قضائے الٰہی سے انتقال فرماگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ جملہ مرحومین کی بخشش و مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

الفقہ

آپ کے دینی مسائل

طلاقِ ثلاثہ

مفتی عبدالقیوم خاں ہزاروی

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌ م بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ م بِاِحْسَانٍ (البقرة، ۲: ۲۲۹)

''یہ طلاق (رجعی) دو مرتبہ تک ہے پھر بھلائی سے روک لینا ہے (عدت کے اندر رجوع کر کے) یا نیکی سے آزاد کرنا ہے (رجوع نہ کر کے)''۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ م بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ط فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ (البقرة، ۲: ۲۳۰)

''پھر اگر اس کو ایک اور طلاق دیدی تو اب وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں ہو سکتی جب تک کسی اور مرد سے نکاح وقربت نہ کرے پھر اگر وہ دوسرا اس بی بی کو طلاق دیدے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ پھر آپس میں نکاح کر لیں، اگر سمجھیں کہ اللہ کی حدیں قائم کر سکیں گے''۔

قرآن مجید نے ''الطلاق مرتان'' فرمایا ہے یعنی ایک یا دو مرتبہ طلاق دی جائے اور اس کے بعد اگر تیسری طلاق دیدی تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔ اس سے واضح ہو گیا کہ کسی شخص نے ایک مجلس میں تین بار طلاق دی اور بیوی سے کہہ دیا کہ میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی تو یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس کی بیوی اس پر قطعی (پکی) حرام ہو جائے گی اور واپسی کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

احادیث سے دلائل

تین طلاقیں واقع ہونے کے بارے میں احادیث درج ذیل ہیں:

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

أَنَّ رَجُلًا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فَتَزَوَّجَتْ فَطَلَّقَ فَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ أَتَحِلُّ لِلْأَوَّلِ قَالَ لَا حَتَّى يَذُوقَ عُسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاقَ الْأَوَّلُ.

''ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ اس عورت نے کہیں اور شادی کر لی۔ اس نے بھی طلاق دیدی پھر نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ آیا یہ عورت پہلے خاوند پر حلال ہے آپ ﷺ نے فرمایا نہیں جب تک پہلے خاوند کی طرح اس دوسرے کی بھی مٹھاس نہ چکھ لے''۔

(بخاری، الصحیح، ۵: ۲۰۱۴، رقم: ۴۹۶۱)

☆ سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں کہ عائشہ خثعمہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تھیں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شہید ہوئے تو اس نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا آپ کو خلافت مبارک ہو۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا تم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر خوشی کا اظہار کر رہی ہو۔

اذهبی فأنت طالق يعنی ثلاثا.

''جاؤ تم کو تین طلاقیں دیں''۔

اس نے اپنے کپڑے لیے اور بیٹھ گئی حتی کہ اس کی عدت پوری ہو گئی، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف اس کا بقیہ مہر اور دس ہزار کا صدقہ بھیجا جب اس کا قاصد یہ مال لے کر آیا تو اس نے کہا مجھے اپنے جدا ہونے والے محبوب سے یہ تھوڑا سا سامان ملا ہے۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے آبدیدہ ہوکر فرمایا اگر میں نے اپنے نانا سے یہ حدیث نہ سنی ہوتی یا کہا اگر میرے والد نے یہ بیان نہ کیا ہوتا کہ انہوں نے میرے نانا سے سنا ہے:

أيما رجل طلق امرأته ثلاثا عند الاقراء أو ثلاثا مبهمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره لراجعتها.

’’جس شخص نے بھی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں خواہ الگ الگ طہروں میں یا بیک وقت تو وہ عورت اس کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرے۔تو میں اس سے رجوع کر لیتا۔

(بیهقی، السنن الکبری، ۷: ۳۳۶)

☆ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُوَيْمِرًا الْعَجْلَانِيَّ جَاءَ إِلَى عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ الْأَنْصَارِيِّ فَقَالَ لَهُ يَا عَاصِمُ أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ سَلْ لِي يَا عَاصِمُ عَنْ ذَلِكَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَسَأَلَ عَاصِمٌ عَنْ ذَلِكَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَكَرِهَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَسَائِلَ وَعَابَهَا حَتَّى كَبُرَ عَلَى عَاصِمٍ مَا سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلَمَّا رَجَعَ عَاصِمٌ إِلَى أَهْلِهِ جَاءَ عُوَيْمِرٌ فَقَالَ يَا عَاصِمُ مَاذَا قَالَ لَكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ عَاصِمٌ لَمْ تَأْتِنِي بِخَيْرٍ قَدْ كَرِهَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَسْأَلَةَ الَّتِي سَأَلْتُهُ عَنْهَا قَالَ عُوَيْمِرٌ وَاللهِ لَا أَنْتَهِي حَتَّى أَسْأَلَهُ عَنْهَا فَأَقْبَلَ عُوَيْمِرٌ حَتَّى أَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ وَسَطَ النَّاسِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَدْ أَنْزَلَ اللهُ فِيكَ وَفِي صَاحِبَتِكَ فَاذْهَبْ فَأْتِ بِهَا قَالَ سَهْلٌ فَتَلَاعَنَا وَأَنَا مَعَ النَّاسِ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلَمَّا فَرَغَا قَالَ عُوَيْمِرٌ كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ أَمْسَكْتُهَا فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَكَانَتْ تِلْكَ سُنَّةَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ.

’’ابن شہاب کو حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضرت عویمر عجلانی ایک دفعہ حضرت عاصم بن عدی انصاری کے پاس آئے اور کہا: اے عاصم ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو دیکھ کر اسے قتل کر دیتا ہے تو آپ حضرات مجرم ٹھہرا کر اسے قتل کر دیتے ہیں، دریں حالات وہ شخص کیا کرے؟ اے عاصم! یہ بات مجھے رسول اللہ ﷺ سے پوچھ کر بتایئے۔ تو حضرت عاصم نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے دریافت کی لیکن رسول اللہ ﷺ نے ایسی باتوں کا پوچھنا نا پسند فرمایا۔ اس کا حضرت عاصم کو افسوس ہوا جبکہ رسول اللہ ﷺ سے ناپسندیدگی کی بات سنی۔ جب حضرت عاصم اپنے گھر والوں کے پاس پہنچے تو حضرت عویمر آ گئے اور کہا کہ اے عاصم! رسول اللہ ﷺ نے آپ کو کیا جواب دیا؟ حضرت عاصم نے کہا کہ میں کوئی اچھی چیز لے کر نہیں آیا کیونکہ جس بات کے متعلق میں نے دریافت کیا تھا اس کا پوچھنا رسول اللہ ﷺ نے ناپسند فرمایا۔ حضرت عویمر نے کہا کہ خدا کی قسم میں تو اس وقت تک باز نہیں آؤں گا جب تک اس کا حکم رسول اللہ ﷺ سے دریافت نہ کرلوں۔ پھر حضرت عویمر روانہ ہوگئے۔ یہاں تک رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں لوگوں کے درمیان حاضر ہوگئے۔ پھر عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو دیکھ کر اسے قتل کر دے تو آپ قصاص میں اسے قتل کر دیں گے، بتایئے وہ شخص کیا کرے؟ تو رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور تمہاری بیوی کے متعلق حکم نازل فرمایا ہوا ہے لہٰذا اسے بلا کر لے آؤ۔ حضرت سہل فرماتے ہیں کہ پھر ان دونوں نے لعان کیا اور لوگوں کے ساتھ میں بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں موجود تھا۔ جب دونوں فارغ ہوگئے تو حضرت عویمر عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر اب میں اسے اپنے پاس رکھوں تو جھوٹا قرار پاؤں گا لہٰذا انہوں نے تین طلاقیں دے دیں اس سے پہلے کہ رسول اللہ ﷺ کوئی حکم فرماتے۔ ابن شہاب کا بیان ہے کہ اس روز سے لعان کرنے والوں کے لئے یہی طریقہ قرار پایا گیا۔‘‘

(أبو بکر عبدالرزاق المصنف، ۷: ۱۱۶، رقم: ۱۲٤٤٦)

اس حدیث سے واضح ہوگیا کہ صحابہ کرامؓ کے درمیان یہ بات معروف اور مقرر تھی کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے بیوی حرام ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اس شخص نے اپنی بیوی سے تفریق وتحریم کے لیے نبی ﷺ کے سامنے اسکو تین طلاقیں دیں اورایک مجلس میں تین طلاقوں سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی تو اس صحابی کا یہ فعل عبث ہوتا ہے۔ اور حضور ﷺ اسے فرماتے کہ بیک وقت تین طلاقوں سے تمہاری مفارقت نہیں ہوتی۔

☆ عَنْ نَافِعِ بْنِ عُجَيْرِ بْنِ عَبْدِ يَزِيدَ بْنِ رُكَانَةَ أَنَّ رُكَانَةَ بْنَ عَبْدِ يَزِيدَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ سُهَيْمَةَ الْبَتَّةَ فَأَخْبَرَ النَّبِيَّ ﷺ بِذَلِكَ وَقَالَ وَاللهِ مَا أَرَدْتُ إِلَّا وَاحِدَةً فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَاللهِ مَا أَرَدْتَ إِلَّا وَاحِدَةً فَقَالَ رُكَانَةُ وَاللهِ مَا أَرَدْتُ إِلَّا وَاحِدَةً فَرَدَّهَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَطَلَّقَهَا الثَّانِيَةَ فِي زَمَانِ عُمَرَ وَالثَّالِثَةَ فِي زَمَانِ عُثْمَانَ.

’’نافع بن عجیر بن عبد یزید بن رکانہ سے روایت ہے کہ حضرت رکانہ بن عبد یزید بن رکانہ سے روایت ہے کہ حضرت رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سہیمہ کو پکی اور قطعی طلاق دی۔ نبی کریم ﷺ کو یہ بات بتائی گئی تو انہوں نے کہا: خدا کی قسم، میں نے ارادہ نہیں کیا مگر ایک کا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہو کہ ایک ہی کا ارادہ کیا تھا؟ حضرت رکانہ نے کہا: خدا کی قسم، میں نے ایک کا ارادہ کیا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اُن کی بیوی ان کی طرف لوٹا دی۔ پھر انہوں نے دوسری طلاق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور تیسری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دی‘‘۔

(أبي داؤد، السنن، ۲: ۲٦۳، رقم: ۲۲۰٦)

☆حضرت عامر سے مروی ہے کہ شعبی بیان کرتے ہیں کہ قُلْتُ لِفَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ حَدِّثِينِي عَنْ طَلَاقِكِ قَالَتْ طَلَّقَنِي زَوْجِي ثَلَاثًا وَهُوَ خَارِجٌ إِلَى الْيَمَنِ فَأَجَازَ ذَلِكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ.

’’میں نے فاطمہ بنت قیس سے ان کی طلاق کے بارے میں دریافت کیا، انہوں نے فرمایا میرے خاوند نے مجھے تین طلاقیں دیں اور وہ یمن گئے ہوئے تھے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے جائز قرار دیا۔‘‘

(ابن ماجه، السنن، ۱: ٦۵۲، رقم: ۲۰۲٤)

آثار صحابہ اور اقوال تابعین

☆ **عن سالم عن ابن عمر قال من طلق امراته ثلاثا طلقت وعصى ربه.**

’’حضرت سالم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں وہ واقع ہو جائیں گی اور اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔‘‘

(عبد الرزاق، المصنف، ٦: ۳۹۵)

ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: **انی طلقت امرأتی مائة تطليقة**

فماذا تری علی فقال له بن عباس طلقت منک لثلاث و سبع و تسعون اتخذت بها آیات الله هزوا.

’’میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیدی ہیں، آپ کے خیال میں مجھ پر کیا لازم ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تیری طرف سے اسے تین طلاقیں ہوگئیں اور ستانوے سے تو نے اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑایا‘‘۔

(امام مالك، الموطأ، ٢: ٥٥٠، رقم: ١١٤٦)

☆ **جاء رجل اِلی عبد الله فقال اِنی طلقت امرأتی مائة قال بانت منک بثلاث و سائرهن معصية.** (بیهقی، السنن، ٧: ٣٣٢، رقم: ١٤٧٢٦)

ایک شخص حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیدی ہیں انہوں نے فرمایا: تین طلاقوں سے تیری بیوی تم پر حرام (جدا، بائن) ہوگئی اور باقی گناہ‘‘۔

☆ **جاء رجل اِلی ابن عباس فقال طلقت امرأتی ألفا فقال بن عباس ثلاث تحرمها علیک و بقیتها علیک وزرا اتخذت آیات الله هزوا.**

’’ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آکر کہامیں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دیدی ہیں،ابن عباس رضی اللہ عنہمانے فرمایا: تین نے تجھ پر اسے حرام کر دیا اور بقایا تجھ پر بوجھ و گناہ،تو نے اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑایا ہے‘‘۔

(عبد الرزاق، المصنف، ٦: ٣٩٧، رقم: ١١٣٥٣)

☆ **جاء رجل اِلی علی رضی الله عنه فقال طلقت امرأتی ألفا قال ثلاث تحرمها علیک واقسم سائرها بین نسائک.**

’’ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دیدی ہیں،حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تین نے اس کو تجھ پر حرام کر دیا اور باقی اپنی بیویوں میں تقسیم کر لے‘‘۔

(دار قطنی،السنن،٤: ٢١،رقم:٥٦)

تمام فقہاء کرام کا مؤقف

ائمہ اربعہ اورجمہوراہلسنت اس بات پر متفق ہیں کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔

۱۔ علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ ،امام مالکؒ ،امام ابوحنیفہؒ اورقدیم جدید جمہور علماء کے نزدیک یہ تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔

(علامه یحییٰ بن شرف نووی شافعی، شرح مسلم، ١: ٤٧٨)

۲۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ جس شخص نے بیک وقت تین طلاقیں دیں وہ واقع ہو جائیں گی خواہ دخول سے پہلے دی ہوں یا دخول کے بعد حضرت ابن عباسؓ،حضرت ابوہریرہؓ،حضرت ابن عمرؓ،حضرت ابن مسعودؓ،حضرت انسؓ کا یہی نظریہ ہے اور بعد کے تابعین اور آئمہ کا بھی یہی نظریہ ہے۔ (المغنی ٧: ٢٨٢)

۳۔ **فاذا طلق الرجل زوجته ثلاثا دفعة واحده، بأن قال لها: أنت طالق ثلاثا لزمه ما نطق به من العدد فی المذاهب الأربعه ، و هورأی الجمهور.**

’’جب کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہی بار تین طلاقیں دیں ،یوں کہا تجھے تین طلاقیں ،چاروں مذاہب میں اس کے کہنے کے مطابق تین واقع ہوگئیں ، یہی جمہور کی رائے ہے۔‘‘

(عبد الرحمٰن الجزیری ، کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة ، ٤: ٣٤١)

لہٰذا بقائمی ہوش وحواس نارمل حالت میں ایک مجلس کی دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
پیکرِ عدل و صاحبِ بصیرت

یوم شہادت یکم محرم الحرام کی مناسبت سے خصوصی تحریر

ڈاکٹر علی اکبر الازہری

تاریخ عالم میں بہت کم شخصیات ایسی ملتی ہیں جن کی ذات میں اس قدر صلاحیتیں اور خوبیاں ایک ساتھ ہوں کہ ایک طرف فتوحات اور نظام حکومت میں مساوات، عدل و انصاف، مذہبی رواداری اپنی انتہاء پر ہو اور دوسری طرف روحانیت، زہد و ورع، تقویٰ اور بصیرت بھی اپنے پورے کمال پر نظر آئے۔ تاریخ میں اس حوالے سے سیدنا فاروق اعظمؓ کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔ عدل و انصاف کی بات ہو تو اپنے عملی کردار کی وجہ سے منفرد و ممتاز نظر آتے ہیں۔ اپنے، پرائے، کمزور و طاقتور میں فرق نہیں کرتے یہاں تک کہ اپنے متعین کردہ گورنر اور اپنے بیٹے کے لئے بھی انصاف کا مظاہرہ اسی طرح کرتے ہیں جس طرح کسی عام آدمی پر عدل و انصاف کا اطلاق کرتے۔ یہی وہ صفات ہیں جو آپؓ کی فتوحات کے پس پردہ کارفرما نظر آتی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت عمرؓ کا قبول اسلام حضور نبی اکرم ﷺ کی دعا کا نتیجہ ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں بے شمار صلاحیتیں، سیاسی و انتظامی بصیرت اور عدالت و صداقت ودیعت کر رکھی تھیں، اسی بناء پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ عمر کی زبان اور قلب کو اللہ تعالیٰ نے صداقت کا مصدر بنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے وجود مسعود سے اسلام کی شان و عظمت کو قیصر و کسریٰ کے ایوانوں تک پہنچادیا۔

اس زمانے میں جب لکھنے پڑھنے کی طرف مطلق توجہ نہیں دی جاتی تھی اور بعثت نبوی ﷺ کے وقت مکہ میں صرف ۱۷ لوگ ایسے تھے جو لکھنا جانتے تھے، ان میں ایک حضرت عمرؓ بھی تھے۔ (فتوح البلدان، علامہ بلاذری)

قبول اسلام کے بعد عہد نبوت میں آپؓ کو سرکار دوعالم ﷺ کا نہ صرف قرب حاصل ہوا بلکہ تمام معاملات میں آپؓ کی مشاورت کو اہمیت حاصل تھی۔ غزوات ہوں یا حکومتی معاملات، سب میں آپؓ سے مشورہ لیا جاتا تھا۔ بعض اوقات آپؓ کی رائے سے صحابہ کرامؓ اختلاف کرتے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؓ کی رائے کی تائید ہوجاتی اور جبرائیل امینؑ آیات قرآنی کی صورت میں بارگاہ رسالتمآب ﷺ میں حاضر ہوکر موافقت فرماتے۔

آپؓ کے دور خلافت میں ایک ہزار چھپن شہر مع قصبات و دیہات فتح ہوئے۔ روم و ایران کا جاہ و جلال سرنگوں ہوا۔ چار ہزار مساجد تعمیر ہوئیں۔ ۱۰ سال ۶ ماہ ۴ دن کے دور خلافت میں ۲۲ لاکھ ۵۱ ہزار ۳۰ مربع میل پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ جس میں شام، مصر، عراق، جزیرہ خوزستان، ایران، آرمینیہ، آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان اور مکران شامل تھے۔ (تاریخ ابن خلدون، ۱:۳۸۴)

آپؓ نے نہ صرف یہ کہ فتوحات کا دائرہ وسیع

کیا اور ایک کامیاب فاتح حکمران کے طور پر شہرت حاصل کی بلکہ ان مفتوحہ ممالک میں جو انقلابی اقدامات اور اصلاحات نافذ کیں حقیقت میں وہ آپ کو تاریخ اسلام میں ہی نہیں بلکہ تاریخ عالم میں منفرد و ممتاز مقام عطا کرتی ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ کی فتوحات کا سب سے بڑا سبب صدق، جودو سخا، عفو و درگزر اور عدل و انصاف ہے۔ یہی وہ اعلیٰ اخلاقی اقدار ہیں جنہوں نے فاروق اعظمؓ کو دنیائے عالم کا سب سے کامیاب فاتح بنادیا۔ جن کی فتوحات کے سامنے جدید دنیا کے تمام فاتحین کی فتوحات ہیچ نظر آتی ہیں۔ اس لئے کہ جو بھی فاتح آیا اُس نے فتح کے نشہ میں چور ہوکر مردو زن غلام بنا کر بیچ ڈالے یا ان کے سر قلم کرکے چوراہوں پر لٹکادیئے۔ شہروں کے شہر جلا کر راکھ کردیئے، خون کی ندیاں بہادیں، سروں کے مینار بناڈالے، جبکہ حضرت عمرؓ کی فتوحات کو دیکھیں تو جن علاقوں کو آپؓ نے فتح کیا، آج تک وہاں اسلام کا پرچم لہرارہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن علاقوں کو آپؓ فتح کرتے وہاں عدل و انصاف کو رائج کرتے۔۔۔ عفو و درگزر اور بردباری سے کام لیتے۔۔۔ امیر و غریب اور شاہ و گدا میں امتیاز نہ کرتے۔

حضرت عمرؓ کی انفرادیت یہ ہے کہ آپؓ واحد وہ فاتح ہیں، جنہوں نے اپنے عہد خلافت میں کسی جنگ میں شرکت نہ کی لیکن ہر لشکر کا کنٹرول آپؓ کے ہاتھ میں رہا۔ آپؓ مدینہ میں بیٹھ کر لشکر کی کمان کرتے اور ہدایات جاری کرتے۔ ابن جریر طبریؒ نے لکھا ہے کہ ''آپؓ تاریخ عالم کے منفرد سپہ سالار تھے کہ جنہوں نے اپنی فراست اور حسن تدبر سے اسلامی لشکر کی بغیر شرکت، کمان کی اور بڑی بڑی سلطنتوں کو روند ڈالا۔ کیونکہ ان کی ذات میں سیاسی و انتظامی بصیرت اور مومنانہ فراست کا بڑا عمل دخل تھا''۔

امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ کی فتوحات محض مادی وسائل، افرادی قوت یا آلات جنگ کی کثرت پر منحصر نہ تھیں بلکہ ان میں آپ کا صاحبِ بصیرت اور روحانی تصرف کا حامل ہونا بھی کارفرما تھا۔ حتی کہ آپ مدینہ میں بیٹھے میدان جنگ کو دیکھ رہے ہوتے اور بعض اوقات ہزاروں میل دور موجود لشکر کو ہدایات بھی جاری فرماتے۔

ایک بار مسجد نبوی میں جمعۃ المبارک کا خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک خطبہ ترک کرکے تین بار پکار کر کہا: ''یاساریۃ الجبل'' اس کے بعد دوبارہ خطبہ دینے لگے۔ جمعۃ المبارک کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چہ مہ گوئیاں شروع کردیں کہ امیرالمومنین نے دوران خطبہ بے ربط جملے بولے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ یہ سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صحابہ کرامؓ کی نکتہ چینی سے آگاہ کیا۔ امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: واللہ دوران خطبہ میں یہ دیکھ کر بے قرار ہوگیا کہ

عہدِ فاروقی کی تمام فتوحات کو غزواتِ نبوی ﷺ کا خاص فیض حاصل تھا۔ قدم قدم پر تائیدِ غیبی اور فرشتوں کی نصرت کا احساس ہوتا تھا

ساریہ اور اس کے ساتھی دشمن کے گھیرے میں آرہے تھے، اس لئے میں نے ساریہ کو متنبہ کیا کہ اے ساریہ پہاڑ کی پناہ لے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت ساریہؓ کا بھیجا ہوا قاصد خط لے کر مدینہ پہنچا۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ جمعۃ المبارک کو دشمن نے ہم پر حملہ کیا۔ ہم نے ان سے لڑنا شروع کیا یہاں تک کہ نماز جمعہ کا وقت ہوگیا۔ پس اس وقت ہم نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی جس نے پکارا ''الجبل'' ''الجبل'' اس وقت ہم تباہی کے قریب پہنچے ہوئے تھے۔ یہ آواز سن کر ہم پہاڑ کے دامن میں چلے گئے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہم کو فتح عطا فرمائی۔ (تاریخ طبری، ۳:۲۱۴)

آپؓ کی روحانیت کا یہ عالم تھا کہ آپؓ کی

زبان پر حق بولتا تھا۔ آپ الہامی شخصیت کے مالک تھے، جو سوچتے، وہ ہوجاتا تھا۔ قرآن اور حدیث آپؓ کی رائے میں موافقت کرتے۔ آیت حجاب، مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے متعلق، واقعہ ایلاء، جنگی قیدیوں سے سلوک، منافق کی نماز جنازہ، حرمت شراب، توریت کی آیت کے مطابق حضرت عمرؓ کا کلام، اذان کے حکم کا حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق ہونا، آپؓ کی روحانیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ دعائے برکت کے سلسلے میں آنحضور ﷺ کا حضرت عمرؓ کے مشورے پر عمل کرنا، جنت کی بشارت دینے کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کا مشورہ قبول کرنا، فرض اور نوافل کو الگ الگ رکھنے کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کی رائے کو پسند فرمانا، آپؓ کے روحانیت کا مظہر ہونے کے دلائل ہیں۔ سترہ کے قریب ایسی قرآنی آیات ہیں جو آپؓ کی رائے کی موافقت میں نازل ہوئیں۔ (ازالۃ الخفاء، ۴:۷۰)

حضور ﷺ فرمایا کرتے:

’’بے شک عمر کی زبان پر حق بولتا ہے۔ بے شک تم سے پہلی قوموں میں محدثین ہوا کرتے تھے اور میری امت کے محدث عمرؓ ہیں‘‘۔ (مدارج النبوۃ، ۲:۷۴۳)

حضرت علیؓ فرمایا کرتے کہ

’’عمرؓ کی زبان پر سکینہ بولتا ہے‘‘۔ (ایضاً)

فتوحات میں تائیدِ غیبی کا حصول

حضرت عمر فاروقؓ لشکر کو جنگ کے لئے روانہ کرتے وقت امیر لشکر اور مجاہدین کو اخوت و محبت، صبر و تحمل اور فتح کی صورت میں عفو و درگزر کی تلقین فرماتے۔ سرسبز کھیتوں اور کھلیانوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کے احترام کی ہدایات جاری کرتے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کی تلقین کرتے۔ جنگِ قادسیہ کی فتح حضرت عمر فاروقؓ کی بصیرت، تقویٰ اور اللہ رب العزت کی ذات پر توکل و یقین کا ایک اعلیٰ اظہار ہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو قدم قدم پر تائید غیبی حاصل ہوئی، اس کی وجہ بھی امیرالمومنینؓ کی صفات کریمانہ ہی تھیں۔

جنگ قادسیہ میں امیر لشکر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اللہ کا نام لے کر اور حضرت عمرؓ کا واسطہ دے کر مجاہدین کو دریا دجلہ میں اترنے کا حکم دیا۔ مجاہدین نے گھوڑے دریا میں اتار دیئے۔ ساز و سامان کے ساتھ لشکر اسلام دریا میں اس طرح جا رہا تھا جیسے کوئی خشکی میں سفر کر رہا ہو یہاں تک کہ تمام لشکر نے دجلہ عبور کرلیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ لشکر اسلام دریائے دجلہ سے اس طرح صحیح سلامت باہر نکلا کہ نہ ہی ان کی کوئی چیز کم ہوئی اور نہ ان کا کوئی آدمی غرق ہوا البتہ ایک پیالہ دریا میں گرگیا۔ اس پیالے کا مالک قریش کا حلیف مالک بن عامر تھا، اس نے دریا کو مخاطب کرکے کہا کہ خدا کی قسم میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک دریا میرا پیالہ واپس نہ کردے۔ کیا سارے لشکر میں سے دریا نے میرا پیالہ ہی چھیننا تھا؟ وہ گھوڑے سے نیچے اتر آیا، دریا کے کنارے کھڑا ہوگیا یہاں تک کہ دریا کی موجوں نے اس کا پیالہ کنارے پر باہر پھینک دیا‘‘۔ (تاریخ طبری، ۲:۴۹۷)

حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ میں دریائے دجلہ میں امیر لشکر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ تھا، لشکر پانی میں اس طرح جا رہا تھا جیسے خشک زمین پر چل رہا ہو۔ یہ جنگ جو مدائن میں ہوئی، اس سے بڑھ کر حیران کن واقعہ کوئی نہ دیکھا گیا۔ اس دن کو ’’یوم الماء‘‘ کے نام سے پکارا جانے لگا۔ اس واقعہ کو اہل فارس حیرت سے دیکھ رہے تھے اور انگشت بدنداں تھے کہ وہ دریا کی بپھری موجوں کو کس پُرسکون انداز سے عبور کررہے ہیں۔ جب لشکر اسلام نے دریا کو عبور کرلیا اور مدائن میں داخل ہونے لگے تو لوگ چیخ چیخ کر ایک دوسرے سے کہنے لگے: خدا کی قسم دیو آمدند، دیو آمدند یعنی جن آگئے، ہمارا انسانوں

سے نہیں بلکہ جنات سے واسطہ ہے۔ (ایضاً ص ۴۹۹)

عہد فاروقی کی تمام فتوحات کو غزوات نبوی ﷺ کا خاص فیض حاصل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی مدد اور فرشتوں کی نصرت کا قدم قدم پر احساس ہوتا ہے۔ ذرا سوچیں کہ ایک امیر لشکر دریا کو مخاطب کرکے کہہ رہا ہے کہ ہمیں امیرالمومنین فاروق اعظمؓ نے بھیجا ہے، ہمیں راستہ دو اور دریا اُن کو راستہ دے دیتا ہے۔۔۔ ایک امیر لشکر جنگل کے جانوروں کو حکم دے رہا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلنے والے اس جنگل میں قیام کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا تم کہیں اور چلے جاؤ اور جنگل کے وحشی جانور سر جھکائے جنگل چھوڑ کر چلے جائیں۔۔۔ حضرت سفینہ لشکر سے بچھڑ جاتے ہیں تو ایک شیر اُن کے سامنے آجاتا ہے اور وہ اُس سے بالکل نہیں گھبراتے بلکہ اسے مخاطب ہوکر کہتے ہیں کہ میں غلامان محمد ﷺ سے ہوں، فاروق اعظمؓ کے لشکر کا مجاہد ہوں، لشکر سے الگ ہوگیا ہوں، مجھے میرے لشکر تک پہنچادو۔ جنگلی شیر سر جھکاتا ہے۔ آپؓ اس پر سوار ہوتے ہیں اور مجاہدین کی چھاؤنی تک پہنچ جاتے ہیں۔ ایسی مثالیں فقط ہمیں عہد فاروقی میں ہی نظر آتی ہیں۔

آپؓ نے شریعت کو صرف اللہ کے بندوں پر نہیں بلکہ تمام مخلوق پر نافذ کردیا تھا۔ اس کی ایک مثال مصر کے دریائے نیل کی ہے۔ مصر کی فتح کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ وہاں کے والی مقرر ہوئے۔ اہل مصر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریائے نیل کے بارے میں شکایت کی کہ یہ ہر سال نوجوان لڑکی کی قربانی لے کر چلتا ہے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے تمام روداد امیرالمومنین حضرت فاروق اعظمؓ کو لکھ کر بھیج دی۔ آپؓ نے تمام واقعہ پڑھ کر دریائے نیل کے نام ایک خط لکھا اور وفد کے حوالے کرکے فرمایا کہ عمرو بن العاصؓ کو دے دینا اور اسے کہنا یہ دریائے نیل میں پھینک دے۔ خط میں آپؓ نے لکھا:

''اللہ کے بندے عمر، امیرالمومنین کی طرف سے اہل مصر کے نیل کے نام۔ اما بعد: اگر تو اپنی جانب اور مرضی سے چلتا تھا تو آئندہ نہ چلنا۔ ہمیں تمہاری ضرورت نہیں۔ اگر تو خدائے واحد وقہار کے حکم سے چلتا ہے تو وہ تجھے رواں رکھے گا اور ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ تجھے رواں رکھے''۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے آپؓ کا خط دریائے نیل میں پھینک دیا۔ اہل مصر نے دیکھا کہ دریائے نیل کا پانی ۱۶ ہاتھ تک بلند ہوگیا اور ایسا رواں ہوا کہ آج تک اسی انداز سے رواں ہے۔ (تاریخ ابن کثیر، ۷:۲۱۱)

حضرت عمر فاروقؓ سے صادر ہونے والے یہ تمام واقعات و کرامات دراصل آپؓ کی روحانیت، للّٰہیت اور اتباع رسول ﷺ کا نتیجہ ہیں۔

عدل و انصاف کا فروغ

حضرت عمر فاروقؓ کا پیکر عدل و انصاف ہونا آپ کو بڑے بڑے حکمرانوں سے ممتاز و مبین کرتا ہے۔ اسی عدل و انصاف کی وجہ سے ساڑھے ۲۲ لاکھ مربع میل سے زائد علاقہ پر آپؓ کی خلافت اپنے تمام تر تقاضوں کے ساتھ موجود رہی اور رعایا نے آپ کے تمام احکامات کو دل و جان سے قبول کیا۔ آپ عدل و انصاف کا اطلاق بلا امتیاز اور بلا جھجھک یکساں طور پر ہر ایک پر کرتے خواہ آپ کا اپنا بیٹا ابوشحمہ یا قدامۃ بن مظعون ہی کیوں نہ ہوں۔ جب انہوں نے جرم کا ارتکاب کیا تو آپ نے خود انہیں ۸۰ کوڑے مارے۔

آپؓ کے عہد خلافت میں عدالت کا محکمہ باقاعدہ قائم ہوا۔ حکومتی نظام کو احسن طریقے سے چلانے اور عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے آپؓ نے عدالتی امور کو حکومتی امور سے الگ کردیا۔ ججز کی تقرریاں میرٹ پر کرنے اور تمام فیصلے آزادانہ حیثیت میں قرآن و حدیث کے مطابق کرنے کے باقاعدہ احکامات جاری فرمائے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی فتوحات محض مادی وسائل اور افرادی قوت کی کثرت پر منحصر نہ تھیں بلکہ ان میں آپ کی بصیرت اور روحانی تصرف بھی شامل تھا

آپؓ اپنے مقرر کردہ گورنرز، والیوں اور ججز پر سخت گرفت فرماتے۔ ان کی کارکردگی کے جائزہ کے لئے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو مقرر کررکھا تھا۔ جہاں کہیں سے شکایت ملتی یا کہیں بے انصافی کا گمان ہوتا فوراً گرفت فرماتے۔ سیف اللہ حضرت خالد بن ولید، فاتح قادسیہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت امیر معاویہؓ جیسے کبار صحابہ کو معزول کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ (تاریخ ابن خلدون، ۱:۳۸۸)

گورنروں کی تقرری کرتے وقت ان سے حلف لیتے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہونا، باریک کپڑے نہ پہننا، چھنا ہوا آٹا نہ کھانا، دروازے پر دربان نہ رکھنا، حاجت مندوں کے لئے ہر وقت دروازے کھلے رکھنا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ صوبوں کے تمام گورنروں کو آپؓ نے ایک مقام پر اکٹھا کیا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت سلمان فارسی، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت عمرو بن العاص، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت عتبہ بن غزوان، حضرت عثمان بن عاص، یعلیٰ بن امیہ، نعمان، عمرو بن سعید، مثنٰی بن حارثہ، عتاب بن اسید رضی اللہ عنہم جیسے متقی، پرہیزگار اور خوف خدا رکھنے والے تمام گورنرز سامنے موجود تھے۔ انہیں اس طرح مخاطب ہوکر نصیحت فرمائی:

خبردار! میں نے تمہیں امیر اور سخت گیر بناکر نہیں بھیجا بلکہ امام بناکر بھیجا ہے تاکہ لوگ تم سے ہدایت پائیں۔ عوام کے حقوق ادا کرو اور ان پر بے جا سختی نہ کرو کہ وہ ذلت محسوس کرنے لگیں اور نہ بلاوجہ نرمی کرو کہ وہ غلط فہمی کا شکار ہوجائیں۔ اپنے دروازے ان پر بند نہ کرنا کہ طاقت ور کمزور کو ستانے لگیں اور نہ ہی ان سے کسی بات میں اپنے آپ کو برتر سمجھو کیونکہ یہ ظلم کے مترادف ہے۔ (تاریخ ابن خلدون، ۱:۳۸۶)

☆ ایک دفعہ حضرت عمرو بن العاصؓ والی مصر کے بیٹے محمد بن عمرو نے ایک مصری کو کوڑے مارے اور کہا کہ میں بڑوں کی اولاد ہوں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس مصری بدوی کو قید کردیا کہ کہیں امیرالمومنین حضرت عمرؓ کو شکایت نہ کردے۔ ایک عرصہ کے بعد جب مصری قید سے رہا ہوا تو مدینہ میں حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا اور اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کی شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے اسے اپنے پاس ٹھہرایا اور حضرت عمرو بن العاصؓ اور ان کے بیٹے محمد بن عمرو کو مدینہ بلوا بھیجا۔ جب دونوں مدینہ پہنچے تو آپؓ نے مظلوم مصری کو بلوایا اور اس کے ہاتھ میں کوڑا دے کر فرمایا کہ اسے پکڑو اور بڑوں کی اولاد سے اپنا بدلہ لو۔ مصری نے کوڑا لیا اور بدلہ لینا شروع کردیا۔ وہ کوڑے مار رہا تھا اور آپؓ ہر کوڑے پر کہتے کہ بڑے کی اولاد کو مارو۔ آپؓ نے اس مصری کو فرمایا کہ عمرو بن العاصؓ کو بھی مارو کیونکہ بیٹا تجھے ہرگز نہ مارتا اگر اسے باپ کے اقتدار کا گھمنڈ نہ ہوتا۔ اس نے کہا! یا امیرالمومنین جس نے مجھے مارا تھا میں نے اس سے بدلہ لے لیا، اب میں عمرو بن العاصؓ کو نہیں مارتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تو ان کو بھی مارتا تو ہم تمہیں نہ روکتے۔ پھر عمرو بن العاصؓ سے غضبناک لہجے میں فرمایا: اے عمرو! تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنانا شروع کردیا ہے جبکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا ہے۔ (کنزالعمال، ۶:۳۵۵)

حضرت عمرؓ کے عدل و انصاف کے پیچھے کارفرما روح صرف اور صرف خوف الٰہی تھی۔ صحابہ کرامؓ میں آپؓ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حساب سے ڈرنے

والے تھے۔ خود احتسابی اور معاملہ فہمی میں بہت محتاط تھے۔ ایک بار دو آدمیوں کی لڑائی کا معاملہ آپؓ کے پاس آیا۔ آپؓ نے بارگاہ رب العزت میں عرض کی: اے اللہ! ان کے معاملے میں مجھے فہم عطا فرما کیونکہ یہ دونوں مجھ سے عدل کی امید لے کر آئے ہیں۔ (سیدنا فاروق اعظم، محمد حسین ہیقل، ۶۰۲)

☆ غسان کے حکمران ''جبلہ بن الایہم'' کا واقعہ عدل فاروقی کی عظیم مثال ہے جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ آپؓ کے نزدیک آقا و غلام، بادشاہ و گدا میں فرق نہ تھا۔ جبلہ بن الایہم نے دوران طواف ایک بدو کوتھپڑ مارا۔ وہ امیرالمومنین سے انصاف طلب کرنے پہنچ گیا۔ آپؓ نے فرمایا کہ جبلہ بن الایہم کو پکڑ کر بدو کے حوالے کیا جائے اور وہ اس کے منہ پر اسی طرح تھپڑ مارے جس طرح اس نے اسے مارا ہے۔ گویا کسی حکمران یا رئیس کی طاقت حضرت عمرؓ کے انصاف میں رکاوٹ نہ بنتی۔

آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب دو شخص میرے پاس جھگڑتے ہوئے آتے ہیں تو میں اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ حق پر کون ہے۔ اپنے بیگانے سب انصاف کی عدالت میں میرے نزدیک برابر ہوتے ہیں۔ آپ اپنے عمال اور ان کے متعلقین کی سخت نگرانی کرتے اور انہیں حاکم ومحکوم، محتاج وغنی، امیر وغریب اور چھوٹے بڑے کے ساتھ یکساں انصاف کرنے کی تلقین فرماتے۔

حاکم کی ذمہ داری محکوم سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے آپؓ نے فرمایا کہ عوام میں اس وقت تک ٹیڑھا پن پیدا نہیں ہوتا جب تک کہ ان کے پیشوا اور راہنما سیدھے رہتے ہیں اور یہ کہ جب تک راعی اللہ کی راہ پر رہتا ہے، رعایا اس کے پیچھے چلتی رہتی ہے، جب وہ پاؤں پھیلا دیتا ہے تو رعایا اس سے پہلے پاؤں پھیلا دیتی ہے۔

(سیدنا فاروق اعظمؓ، محمد حسین ہیقل، ص ۶۰۴)

آپؓ ریاستی امور کے ذمہ داران کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے: ''سب کو ایک نظر سے دیکھو۔ قریب و بعید میں کوئی امتیاز نہ رکھو! اگر تم نے رشوت لی، حکومت میں ذاتی غرض شامل کی یا غصے میں لوگوں کو ستایا تو اس کی سزا تمہیں بھگتنی پڑے گی۔ حق اگر دن کی روشنی میں بھی قائم کرنا پڑے تو اسے قائم کرو۔ (ایضاً)

رعایا کی خبر گیری کے اقدامات

رعایا کی خبر گیری کے لئے رات کو گشت کرتے۔ ایک شب گشت کر رہے تھے کہ ایک گھر سے بچے کے رونے کی آواز آئی۔ آپؓ نے بچے کی ماں سے کہا کہ بچے کو چپ کرائے اور کھانے پینے کے لئے کچھ دے۔ بچے کی ماں نے کہا کہ بچے کا دودھ چھڑا رہی ہوں، اس لئے وہ رو رہا ہے کیونکہ امیرالمومنین عمرؓ نے حکم جاری کیا ہوا ہے کہ جب تک بچہ دودھ پیتا ہے اس کا وظیفہ نہیں لگ سکتا، میں اس کا دودھ چھڑا رہی ہوں تا کہ وظیفہ لگ سکے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ سخت افسردہ ہوئے اور فرمایا کہ ہائے افسوس عمر نے کتنے بچوں کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ واپس جا کر اعلان کروادیا کہ جس دن سے بچہ پیدا ہوگا، اسی دن سے وظیفہ جاری ہوگا۔

☆ ایک بار مدینہ میں گشت کر رہے تھے کہ بچوں کے رونے کی آواز سنی۔ تحقیق پر معلوم ہوا کہ گھر میں فاقے ہیں اور تین دن سے بچے بھوکے ہیں اور ماں ان کو بہلانے کے لئے خالی ہانڈی میں چمچ پھیر رہی ہے۔ آپؓ فوراً واپس آئے، بیت المال سے آٹا، گھی، گوشت اور کھجوریں لیں اور اپنی پیٹھ پر اٹھا کر خود ان کے گھر پہنچے اور عورت سے کہا کہ کھانا پکا کر بچوں کو کھلاؤ۔ جب تک بچوں نے کھانا نہ کھالیا، آپؓ وہاں بیٹھے رہے۔ عورت اس حسن سلوک سے بہت متاثر ہوئی اور کہا کہ امیرالمومنین ہونے کے مستحق آپ ہیں نہ کہ عمر۔

☆ ایک بار ملک شام کے سفر پر تھے۔ ایک خیمہ

دیکھ کر آپؓ رکے اور ایک بڑھیا سے اس کا حال پوچھا کہ امیرالمومنین عمرؓ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ بڑھیا نے کہا مجھے اس کے ہاں سے آج تک کچھ نہیں ملا۔ آپؓ نے فرمایا کہ آپ اتنی دور ویرانے میں رہتی ہیں، عمر کو آپ کے حال کا کیا علم؟ بڑھیا نے جواب دیا اگر ہم جیسے لوگوں کا حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کر رہا ہے۔ یہ سب سن کر آپ رو پڑے۔

آپؓ رعایا کی تکلیف پر بہت پریشان ہوجاتے۔ ۱۸ ہجری میں جب عرب میں قحط پڑا تو آپؓ نے گوشت، مچھلی اور تمام لذائذ اپنے لئے ترک کردیئے۔ بیت المال کا تمام مال متاثرین میں تقسیم کردیا اور بار بار بطور انکساری کہتے کہ ایسا میری شامت اعمال کی وجہ سے ہے۔ پھر آپؓ نے صوبہ جات کے تمام گورنرز کو لکھا کہ غلہ، کھانے پینے اور لباس بھیجیں۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ نے شام سے ایک ہزار اونٹ، حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر سے ۲۰ جہاز غلہ بھیجا۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے قحط زدہ لوگوں کی فہرست بنائی اور تمام متاثرین میں تقسیم کیا اور جب تک وہ اس مصیبت سے نہ نکلے ان کی مدد جاری رکھی۔ (تاریخ یعقوبی، ۳:۱۷۷)

مستجاب الدعوات

آپؓ کے زہد و عبادت، تقویٰ و طہارت اور علم و فضل کی حضرت علیؓ بہت تعریف کرتے اور فرمایا کرتے کہ عمر جب بھی اللہ سے مانگتا ہے، اللہ اس کو رد نہیں فرماتا۔

واقدی لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن قرط حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں یرموک کی جنگ میں شرکت کے لئے جارہا ہوں، دعا فرمائیں۔ آپؓ نے فرمایا: اے ابن قرط! کیا تو امیرالمومنین سے دعا کرا کر نہیں آرہا، کیا تجھے علم نہیں کہ عمر کی دعا اللہ کی بارگاہ میں کبھی رد نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کی دعا کے درمیان کوئی حجاب حائل ہوتا ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ رسول اکرم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتا۔۔۔ کیا قرآن نے ان کی رائے کی موافقت نہیں کی۔۔۔ کیا حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر آسمان سے عذاب نازل ہوتو عمر بن خطابؓ کے سوا کوئی نہ بچتا۔۔۔ اے ابن قرط! کیا تیرے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ آیات بینات کا نزول ان کے حق میں ہوا ہے۔۔۔ اس زمین پر وہ عابد، زاہد اور متقی شخص ہیں اور کیا وہ حضرت نوح علیہ السلام پیغمبر کے مشابہ نہیں ہیں۔۔۔ کیا وہ سلف صالحین کے متبع نہیں ہیں۔۔۔ کیا وہ مرتبہ قبولیت رضا مندی تک نہیں پہنچے۔۔۔؟ اے ابن قرط! اگر عمر (رضی اللہ عنہ) نے تیرے لئے دعا کردی ہے تو وہ بارگاہ رب العزت میں ضرور قبول ہوگی۔ (فتوح الشام، ۲۷۴)

کارہائے نمایاں

محکمہ فوج، پولیس، ڈاک، بیت المال، محاصل، جیل، زراعت، آبپاشی اور تعلیم کے محکمہ جات کا قیام آپؓ کے زمانے میں ہوا۔ اس سے پیشتر یہ محکمے موجود نہ تھے۔ ان محکموں کے قیام سے یکسر نظام خلافت، نظام حکومت میں بدل گیا۔۔۔ تمام محکموں کے افسران اور ملازمین کی تنخواہیں مقرر کی گئیں۔۔۔ باقاعدہ فوج اور پولیس کے ملازمین بھرتی کیے گئے۔۔۔ نہری اور زرعی نظام کو جدید تقاضوں کے مطابق ترتیب دیا گیا۔۔۔ ڈیم اور نہریں بنائی گئیں۔۔۔ زمینوں کو مزارعین میں تقسیم کردیا گیا۔۔۔ باقاعدہ حساب کتاب کے لئے حضرت عثمان بن حنیفؓ اور حضرت حذیفہ بن الیمانؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کو مختلف شعبوں کا سربراہ مقرر کیا۔

حضرت عثمان بن حنیفؓ نے سب سے پہلے

”جریب“ کے ذریعے زمین کی پیائش کی اور اجناس پر ٹیکس مقرر کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیت المال کے شعبہ کو بہتر بنایا۔

سن ہجری کا آغاز۔۔۔ باجماعت نماز تراویح۔۔۔ تمام محکمہ جات کے لئے دفاتر کا قیام۔۔۔ حرم اور مسجد نبوی کی توسیع۔۔۔ نہرابوموسیٰ، نہر معقل، نہر سعد۔۔۔ جہاد کے لئے باقاعدہ گھوڑوں کی پرورش کا اہتمام۔۔۔ محکمہ عدالت اور قاضیوں کا تقرر۔۔۔ امیرالمومنین کا لقب اختیار کرنا جو آپؓ سے پہلے کسی نے نہ کیا تھا۔۔۔ مردم شماری۔۔۔ نئے شہروں اور صوبوں کا قیام۔۔۔ محصول اور لگان۔۔۔ حربی تاجروں کو تجارت کی اجازت۔۔۔ راتوں کا گشت۔۔۔ فوجی چھاؤنیوں کی تعمیر۔۔۔ پرچہ نویسوں کا تقرر۔۔۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان مسافروں کے آرام کے لئے سرائیں اور چوکیوں کا قیام۔۔۔ بچوں کے وظائف۔۔۔ مفلوک الحال، یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے وظائف۔۔۔ مکاتب و مدارس کا قیام اور اساتذہ کی تنخواہیں۔۔۔ قیاس کا اصول رائج کیا۔۔۔ فرائض میں عدل کا مسئلہ ایجاد کیا۔۔۔ فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ۔۔۔ تجارتی گھوڑوں پر زکوٰۃ کا اجراء۔۔۔ امام اور موذن کی تنخواہ مقرر کی۔۔۔ مساجد میں وعظ کا طریقہ جاری کیا۔۔۔ مساجد میں روشنی کا اہتمام۔۔۔ اور عشر اور زکوٰۃ کے علاوہ عشور کی اصطلاح آپؓ نے متعارف کرائی۔

امیرالمومنین فاروق اعظمؓ کی شخصیت، فہم و تدبر، سیاسی بصیرت، انتظامی صلاحیت، جنگی حکمت عملی، منفرد انداز حکمرانی اور روحانیت کا وہ حسین امتزاج ہے کہ جس نے انہیں تاریخ عالم کا منفرد فاتح اور عادل حکمران بنادیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

حیات و تعلیمات

یوم شہادت ۱۸ ذوالحجہ کی مناسبت سے خصوصی تحریر

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا

حضرت عثمان غنیؓ کی عمر کا چونتیسواں سال تھا کہ مکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی رسالت کا اعلان فرمادیا۔ گوملکی رسم و رواج اور عرب کے مذہبی تخیل کے لحاظ سے حضرت عثمان غنیؓ کے لئے یہ آواز نامانوس تھی، تاہم وہ اپنی فطرت عفت، پارسائی، دیانتداری اور راستبازی کے باعث اس داعی حق کو لبیک کہنے کے لئے بالکل تیار تھے۔

ایک روز وہ حسب معمول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے اور اسلام کے متعلق گفتگو شروع کی، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی گفتگو سے آپ اتنے متاثر ہوئے کہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوگئے، ابھی دونوں جانے کا خیال ہی کررہے تھے کہ خود سرور کائنات ﷺ تشریف لے آئے اور حضرت عثمانؓ کو دیکھ کر فرمایا ''عثمانؓ! خدا کی جنت قبول کر'' میں تیری اور تمام خلق کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔

حضرت عثمانؓ کا بیان ہے کہ زبان نبوت کے ان سادہ جملوں میں خدا جانے کیا تاثیر تھی کہ میں بے اختیار کلمہ شہادت پڑھنے لگا اور آپ ﷺ دست مبارک میں ہاتھ دے کر حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔

(اصابہ ج۸، تذکرہ سعدی بنت کریز)

اس موقع پر یہ نکتہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ حضرت عثمان غنیؓ کا تعلق اموی خاندان سے تھا، جو بنو ہاشم کا حریف تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ کا آئینہ دل خاندانی تعصب کے گردوغبار سے پاک تھا، اس لئے اس قسم کی کوئی پیش بینی ان کے صفائے باطن کو مکدر نہ کرسکی، انہوں نے نہایت آزادی کے ساتھ اپنے خاندان کے خلاف اس زمانہ میں حق کی آواز پر لبیک کہا، جبکہ اس وقت صرف پینتیس یا چھتیس خواتین و حضرات اس شرف سے مشرف ہوئے تھے۔ (ایضاً)

قبول اسلام پر مصائب کا سامنا

حضرت عثمان غنیؓ کے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کے چچا حکم بن ابی العاص نے آپ کو پکڑ کر ایک کمرے میں بند کردیا اور کہا کہ تم نے آبائی مذہب ترک کرکے ایک نیا مذہب اختیار کرلیا ہے۔ جب تک تم اس نئے مذہب کو نہیں چھوڑو گے میں تمہیں آزاد نہیں کروں گا۔ یہ سن کر حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا چچا! خدا کی قسم میں مذہب اسلام کبھی نہیں چھوڑوں گا اور اس دولت سے کبھی دستبردار نہیں ہوں گا۔ (سیر الصحابہ، ج۱، ص۱۵۲)

مکہ میں اسلام کی روز افزوں ترقی سے مشرکین قریش کے غیظ و غضب کی آگ روز بروز زیادہ بڑھتی جارہی تھی، حضرت عثمان غنیؓ بھی اپنی وجاہت اور خاندانی

☆ ڈین شعبہ علوم اسلامیہ منہاج یونیورسٹی

عزت کے باوجود عام مسلمانوں کی طرح جفا کاروں کے ظلم وستم کا نشانہ تھے، ان کو خود ان کے چچا نے باندھ کر مارا، اعزہ و اقارب نے سرد مہری شروع کی اور رفتہ رفتہ ان کی سخت گیری اور جفا کاری یہاں تک بڑھی کہ وہ ان کی برداشت سے باہر ہوگئی اور بالآخر حضور نبی اکرم ﷺ کے اشارہ سے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہؓ کو ساتھ لے کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ چنانچہ یہ پہلا قافلہ تھا جو حق و صداقت کی محبت میں وطن اور اہل وطن کو چھوڑ کر جلاوطن ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ان عثمان اول من هاجر باهله من هذه الامة. (اصابه ج٨، تذکره رقيه)

’’میری امت میں عثمانؓ پہلا شخص ہے جس نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کی‘‘۔

حضرت عثمان غنیؓ حبشہ میں چند سال رہنے کے بعد مکہ واپس آگئے۔ بعد ازاں ہجرت مدینہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے حکم پر اپنے اہل وعیال کے ساتھ مدینہ تشریف لے گئے۔ مواخاتِ مدینہ کے موقع پر آپ ﷺ نے ان میں اور حضرت اوس بن ثابتؓ میں مواخات قائم کردی۔ (طبقات، قسم اول، جزو٣، ص٣٨)

حضرت عثمان غنیؓ کے خصائل

حضرت ابن ثور الفہمی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عثمان غنیؓ کے پاس اس وقت گیا جب آپ محصور تھے، آپ نے مجھ سے فرمایا کہ میری دس خصلتیں اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہیں:

١۔ میں اسلام قبول کرنے والا چوتھا شخص ہوں۔

٢۔ رسول خدا ﷺ نے اپنی دو صاحبزادیوں کو میرے عقد میں دیا۔

٣۔ میں کبھی گانے بجانے میں شریک نہیں ہوا۔

٤۔ میں کبھی لہو ولعب میں مشغول نہیں ہوا۔

٥۔ میں نے کبھی کسی برائی اور بدی کی تمنا نہیں کی۔

٦۔ رسول خدا ﷺ سے بیعت کرنے کے بعد میں نے کبھی اپنا سیدھا ہاتھ اپنی شرمگاہ کو نہیں لگایا۔

٧۔ اسلام لانے کے بعد میں نے ہر جمعہ کو اللہ کے لئے ایک غلام آزاد کیا، اگر اس وقت ممکن نہ ہوا تو بعد میں آزاد کیا۔

٨۔ زمانہ جاہلیت یا عہد اسلام میں کبھی زنا کا مرتکب نہیں ہوا۔

٩۔ عہد جاہلیت اور زمانہ اسلام میں کبھی چوری نہیں کی۔

١٠۔ رسول خدا ﷺ کے زمانہ کے مطابق میں نے قرآن مجید کو جمع کیا۔ (تاریخ الخلفاء، ص٣٣٨)

بطور خلیفہ انتخاب

حضرت فاروق اعظمؓ نے زخمی ہونے کے بعد حضرت ابوطلحہ انصاری، حضرت اوس بن ثابتؓ اور حضرت مقداد بن الاسودؓ کو ہدایت کی کہ حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم کو ایک مکان میں جمع کرنا۔ کسی کو ان کے پاس آنے جانے نہ دینا۔ تین روز کے اندر یہ احباب اتفاق رائے سے اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنالیں اور اگر اختلاف آراء ہو تو کثرت رائے پر عمل کیا جائے۔

جب تمام حضرات اکٹھے ہوئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اپنے آپ کو دستبردار کرلیا اور فرمایا ’’میں اپنے آپ کو اس جماعت سے علیحدہ کرتا ہوں، میں خلیفہ کے انتخاب کی خدمت کو انجام دوں گا‘‘۔ بعد ازاں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کبار صحابہ کرامؓ، اور مدینہ کے دیگر لوگوں سے ملاقاتیں کیں اور ان سے آراء لیں کہ خلافت کی ذمہ داریاں کس کے سپرد کی جائیں؟ ایک کثیر تعداد سے مشاورت کے بعد بالآخر حضرت عثمان غنیؓ کے حق

میں خلافت کا فیصلہ سنایا۔ تمام احباب نے حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کو اتفاق رائے سے منظور کرتے ہوئے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

جب اہل شوریٰ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی تو وہ بہت اداس ہوکر کھڑے ہوئے اور منبر رسول ﷺ پر آکر حمد وثناء اور صلوۃ وسلام کے بعد یوں خطبہ دیا:

''تم قلعہ بند گھر میں (اپنے آپ کو سمجھتے) ہو اور عمر کے بقیہ حصے میں ہو، اس لئے تم اپنی (باقی ماندہ) زندگی میں بہت جلد نیک کام سرانجام دو اور جو نیک کام تم کرسکتے ہو اس سے دریغ نہ کرو۔ کیونکہ تمہیں صبح یا شام کوچ کرنا ہوگا۔ آگاہ ہوجاؤ کہ دنیا مکرو فریب میں لپٹی ہوئی ہے، اس لئے تمہیں دنیا کی زندگی فریب میں مبتلا نہ کردے۔ تم گزری ہوئی باتوں سے عبرت حاصل کرو اور سرگرمی کے ساتھ (نیک) کام کرو اور غافل نہ رہو کیونکہ وہ (خدا) تم سے غافل نہیں ہے۔

وہ دنیا دار اور ان کے فرزند کہاں ہیں جنہوں نے دنیا میں عمارتیں تعمیر کیں اور عرصہ دراز تک دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ کیا دنیا نے انہیں چھوڑا ہے؟ تم بھی دنیا کو وہیں پھینک دو، جہاں اللہ تعالیٰ نے اسے پھینکا ہوا ہے، (اس کے بجائے) آخرت کے طلبگار رہو۔ کیونکہ اللہ نے دنیا کی کیا ہی اچھی مثال دی ہے اور فرمایا: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ. ''اے پیغمبر ﷺ! تم انہیں دنیا کی زندگی کی مثال بیان کرو کہ وہ پانی کی طرح ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا''۔ (طبری، التاریخ الامم والملوک، ۲:۲۷۵)

خلافت عثمانیؓ کی فتوحات

حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد میں شام، مصر اور ایران کو فتح کرلیا تھا، نیز ملکی نظم ونسق اور طریقۂ حکمرانی کا ایک مستقل دستور العمل بنادیا تھا۔ اس لئے حضرت عثمانؓ کے لئے میدان صاف تھا، انہوں نے صدیق اکبرؓ کی نرمی و ملاطفت اور فاروق اعظمؓ کی سیاست کو اپنا شعار بنایا اور ایک سال تک قدیم طریق نظم ونسق میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا۔ البتہ خلیفۂ سابق کی وصیت کے مطابق حضرت سعد بن وقاصؓ کو مغیرہ بن شعبہؓ کی جگہ کوفہ کا والی بنا کر بھیجا۔ یہ پہلی تقرری تھی جو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے عمل میں آئی۔ (ابن اثیر، ۳:۶۱)

عہد عثمانیؓ میں فتوحات کا سلسلہ نہایت وسیع ہوا۔ افریقہ میں طرابلس، الجزائر، رقہ، مراکش، سپین ۲۷ ہجری میں مفتوح ہوئے۔۔۔ ایران کی فتح تکمیل کو پہنچی۔۔۔ ایران کے متصلہ ملکوں میں افغانستان، خراسان اور ترکستان کا ایک حصہ زیرنگین ہوا۔۔۔ دوسری سمت ۳۱ ہجری میں آرمینیہ اور آذربائیجان کی فتح کے بعد اسلامی سرحد کوہ قاف تک پھیل گئی۔۔۔ اسی طرح ایشیائے کوچک کا ایک وسیع خطہ فتح ہوا۔

بحری فتوحات کا آغاز حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت سے ہوا۔ حضرت عمرؓ کی احتیاط نے مسلمانوں کو سمندری خطرات میں ڈالنا پسند نہ کیا۔ ذوالنورینؓ کی اولوالعزمی نے خطرات سے بے پرواہ ہوکر ایک عظیم الشان بیڑا تیار کرکے جزیرہ قبرص (سائپرس) پر ۲۸ ہجری میں اسلامی علم بلند کیا۔۔۔ اور بحری جنگ میں ۳۱ ھ میں قیصر روم کے بیڑے کو جس میں پانچ سو جنگی جہاز شامل تھے، ایسی شکست دی کہ پھر رومیوں کو کبھی بحری حملہ کی ہمت نہ ہوئی۔

نظامت خلافت

اسلامی حکومت کی ابتداء نظام شوریٰ سے ہوئی، فاروق اعظمؓ نے اس کو مکمل اور منظم کردیا۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اس نظام کو اپنے ابتدائی عہد میں قائم رکھا۔ لیکن آخر میں بنو امیہ کے استیلاء نے اس میں برہمی پیدا کردی۔ مروان بن حکم نے حضرت عثمانؓ کے اعتماد اور

سادگی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر خلافت کے کاروبار میں پورا اثر و رسوخ حاصل کرلیا تھا تاہم جب کبھی آپؓ کو کسی معاملہ کی طرف توجہ دلائی جاتی تو آپ فوراً اس کے تدارک کی سعی ضرور کرتے۔ نیک مشوروں کو قبول کرنے میں تامل نہ فرماتے۔ چنانچہ ولید بن عقبہ کی بادہ نوشی کی طرف توجہ دلائی گئی تو تحقیق کے بعد انہوں نے فوراً اس کو معزول کردیا اور شرعی حد جاری کی۔ اسی طرح جب حضرت طلحہؓ نے ملک میں عام تحقیقات کے لئے وفود بھیجنے کا مشورہ دیا تو فوراً اس کو تسلیم کرلیا۔

عمال کی مجلس شوریٰ

ملکی و انتظامی معاملات میں حکامِ وقت دوسرے غیر ذمہ دار اشخاص کے مقابلہ میں نسبتاً بہتر اور صائب رائے قائم کرسکتے ہیں۔ چنانچہ آج تمام مہذب حکومتوں میں عمال و حکام کی ایک مجلس شوریٰ ہوتی ہے۔ حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے آج سے تیرہ سو برس پہلے اس ضرورت کو محسوس کرکے عمال کی ایک مجلس شوریٰ ترتیب دی تھی۔ اس مجلس کے ارکان سے عموماً تحریری آراء طلب کی جاتی تھیں۔ کوفہ میں پہلے پہل جب فتنہ و فساد کی ابتداء ہوئی تو اس کی بیخ کنی کے متعلق تحریر ہی کے ذریعہ سے آراء طلب کی گئی تھیں۔ کبھی کبھی دارالخلافہ میں باقاعدہ اجلاس بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ ۳۴ھ میں اصلاحاتِ ملک پر غور کرنے کے لئے جو اجلاس ہوا تھا اس میں تمام اصحاب الرائے اور اکثر عمال و حکام شریک تھے۔ (ابن اثیر، ج۳:۱۱۷)

حکام کی نگرانی

خلیفہ وقت کا سب سے اہم فریضہ حکام اور عمال کی نگرانی ہے۔ حضرت عثمانؓ اگرچہ طبعاً نہایت نرم تھے، بات بات پر رقت طاری ہوجاتی تھی اور ذاتی حیثیت سے تحمل، بردباری اور چشم پوشی آپ کا شیوہ تھا، لیکن ملکی معاملات میں انہوں نے احتساب اور نکتہ چینی کو اپنا طرز عمل بنایا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے بیت المال سے ایک بیش قدر رقم ادھار لی جس کو ادا نہ کرسکے۔ حضرت عثمانؓ نے سختی سے بازپرس کی اور معزول کردیا۔۔۔ ولید بن عقبہؓ نے بادہ نوشی کی، انہیں معزول کرکے اعلانیہ حد جاری کی۔۔۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے امیرانہ زندگی اختیار کی تو انہیں بھی ذمہ داری کے عہدہ سے سبکدوش کردیا۔۔۔ حضرت عمرو بن العاصؓ مصر کے خراج میں اضافہ نہ کرسکے تو ان کو علیحدہ کردیا۔

نگرانی کا عام طریقہ یہ تھا کہ دریافت حال کے لئے دربار خلافت سے تحقیقاتی وفود روانہ کئے جاتے تھے جو تمام ممالک کا دورہ کرکے عمال کے طرزِ عمل اور رعایا کی حالت کا اندازہ کرتے تھے۔ ملکی حالات سے واقفیت پیدا کرنے کے لئے آپ کا یہ معمول تھا کہ جمعہ کے دن منبر پر تشریف لاتے تو خطبہ شروع کرنے سے پہلے لوگوں سے اطراف ملک کی خبریں پوچھتے اور ان کی بات نہایت غور سے سنتے۔ آپ کی طرف سے اعلان عام تھا کہ جس کسی کو کسی والی سے شکایت ہو وہ حج کے موقع پر بیان کرے۔ اس موقع پر تمام عمال لازمی طور پر طلب کئے جاتے تھے، اس لئے بالمشافہ شکایتوں کی تحقیقات کرکے تدارک فرماتے۔

ملکی نظم و نسق

فاروق اعظمؓ نے ملکی نظم و نسق کا جو دستور العمل مرتب کیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کو بعینہ باقی رکھا اور مختلف شعبوں کے جس قدر محکمے قائم ہوچکے تھے، ان کو منظّم کرکے ترقی دی۔ یہ اسی نظم و نسق کا اثر تھا کہ ملکی محاصل میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا۔ حضرت عمر کے عہد میں مصر کا خراج ۲۰ لاکھ دینار تھا لیکن عہد عثمانی میں اس کی مقدار ۴۰ لاکھ تک پہنچ گئی۔ (فتوح البلدان، بلاذری، ص۲۲۳)

ملکی انتظام اور رعایا کی آسائش دونوں لحاظ سے اس امر کی ضرورت تھی کہ دارالخلافہ کے تمام راستوں کو سہل

اور آرام دہ بنایا جائے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے مدینہ کے راستہ میں موقع بموقع چوکیاں، سرائیں اور چشمے بنوائے۔ نجد کی راہ میں مدینہ سے چوبیس میل کے فاصلہ پر ایک نہایت نفیس سرائے تعمیر کی گئی، اس کے ساتھ ساتھ ایک مختصر بازار بھی بسایا گیا، نیز شیریں پانی کا ایک کنواں بنایا گیا جو بیرالسائب کے نام سے مشہور ہے۔ (ایضاً، ج۲،ص۲۱۷)

☆ خیبر کی سمت سے کبھی کبھی مدینہ میں نہایت ہی خطرناک سیلاب آیا کرتا تھا جس سے شہر کی آبادی اور مسجد نبوی ﷺ کو نقصان پہنچنے کا احتمال رہتا تھا۔ اس لئے حضرت عثمانؓ نے مدینہ سے تھوڑے فاصلہ پر مدری کے قریب ایک بند بندھوایا اور نہر کھدوا کر سیلاب کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔ اس بند کا نام بند مہزور ہے۔ رفاہ عامہ کی تعمیرات میں یہ خلیفہ ثالث کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ (خلاصۃ الوفاء:۱۲۴)

☆ تمام ممالک میں گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش و پرداخت کے لئے نہایت وسیع چراگاہیں بنوائی گئیں۔ سب سے بڑی چراگاہ مقام ربذہ میں تھی، جو مدینہ سے چار منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ چراگاہ دس میل لمبی اور اسی قدر چوڑی تھی۔ دوسری چراگاہ مقام نقیع میں تھی جو مدینہ سے بیس میل دور ہے۔ اسی طرح ایک چراگاہ مقام ضربہ میں تھی جو وسعت میں ہر طرف سے چھ چھ میل تھی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب گھوڑوں اور اونٹوں کی کثرت ہوئی تو ان چراگاہوں کو پہلے سے زیادہ وسیع کیا گیا اور ہر چراگاہ کے قریب چشمے تیار کرائے گئے اور منتظمین چراگاہ کے لئے مکانات تعمیر کرائے۔ عہد عثمانیؓ میں اونٹوں اور گھوڑوں کی کثرت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ صرف ضربہ کی چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے اسباب

حضرت عثمانؓ کے بارہ سالہ دور خلافت میں ابتدائی چھ سال کامل امن و امان سے گذرے۔ فتوحات کی وسعت، مال غنیمت کی فراوانی، وظائف کی زیادتی، زراعت کی ترقی اور حکومت کے عمدہ نظم ونسق نے تمام ملک میں تمول، فارغ البالی اور عیش و تنعم کو عام کردیا۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ (جن کو حضور نبی اکرم ﷺ نے مسیح الاسلام کا خطاب دیا تھا) اعلانیہ اس کے خلاف وعظ کہتے تھے اور فرماتے تھی کہ ضرورت سے زیادہ مال جمع کرنا ایک مسلمان کے لئے ناجائز ہے۔ شام کا صوبہ جس کے حاکم حضرت امیر معاویہؓ تھے، جو صدیوں تک رومی تعیش و تکلفات کا گہوارہ رہ چکا تھا، وہاں کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ یہ برائیاں پیدا ہورہی تھیں۔ حضرت ابوذرؓ برملا ان امراء اور دولت مندوں کے خلاف وعظ کہتے تھے جس سے نظام حکومت میں خلل پڑتا تھا، اس لئے امیر معاویہؓ کی استدعا پر حضرت عثمان غنیؓ نے ان کو مدینہ بلوالیا۔ مگر اب مدینہ بھی وہ پہلے والا مدینہ نہ رہا تھا۔ بیرونی لوگوں کے بڑے بڑے محل تیار ہوچکے تھے، اس لئے حضرت ابوذرؓ نے یہاں سے بھی دلبرداشتہ ہوکر ربذہ نام کے ایک گاؤں میں اقامت اختیار کی۔

حضرت عثمانؓ کے آخری زمانہ میں جو فتنہ وفساد برپا ہوا، اس کی حقیقت یہی ہے کہ دولت مندی اور تمول کی کثرت نے مسلمانوں میں بھی اس کے وہ لوازم پیدا کردیئے جو قوموں میں ایسی حالت میں پیدا ہوجاتے ہیں اور بالآخر ان کے ضعف اور انحطاط کا سبب بنتے ہیں۔ اسی لئے حضور نبی اکرم ﷺ مسلمانوں سے فرمایا کرتے تھے کہ

لا اخاف علیکم الفقر بل اخاف علیکم الدنیا.

مجھے تمہارے فقرو فاقہ سے کوئی خوف نہیں ہے بلکہ تمہاری دولت دنیاوی ہی کے خطرات سے ڈرتا ہوں۔

اس کے علاوہ اس فتنہ و فساد کی پیدائش کے بعض اور اسباب بھی تھے جو کہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی وہ نسل جو فیض نبوت سے براہ راست مستفیض ہوئی تھی، تقریباً ختم ہوچکی تھی، جو لوگ موجود تھے وہ اپنی کبرسنی کے سبب گوشہ نشین ہورہے تھے اور ان کی اولاد ان کی جگہ لے رہی تھی۔ یہ نوجوان زہد و اتقاء، عدل وانصاف، حق پسندی و راست بازی میں اپنے بزرگوں کے برابر نہ تھے۔

۲۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مشورہ اور مسلمانوں کی پسندیدگی سے امامت و خلافت کے لئے خاندان قریش مخصوص ہوگیا تھا اور بڑے بڑے عہدے بھی زیادہ تر ان ہی کو ملتے تھے، نوجوان قریشی اس کو اپنا حق سمجھ کر دوسرے عرب قبیلوں کو اپنا محکوم سمجھنے لگے تھے۔

۳۔ اس وقت کابل سے لے کر مراکش تک تمام علاقہ اسلام کے زیرنگین تھا جس میں سینکڑوں قومیں آباد تھیں، ان محکوم قوموں کے دلوں میں فطرتاً مسلمانوں کے خلاف انتقام کا جذبہ موجود تھا لیکن ان کی قوت کے مقابلہ میں بے بس تھے، اس لئے انہوں نے سازشوں کا جال بچھایا جن میں سب سے آگے مجوسی اور یہودی تھے۔

۴۔ حضرت عثمانؓ فطرتاً نیک، ذی مروت اور نرم خو تھے، لوگوں سے سختی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے، اکثر چھوٹے جرائم کو بردباری اور حلم سے ٹال دیا کرتے تھے۔ اس سے شریروں کے حوصلے بڑھ گئے۔

۵۔ ہر امام کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ اس کے کارکن اور عمال اس کے مطیع فرمانبردار ہوں، اسلام کی دوسری نسل جو، اب پہلی نسل کی جگہ لے رہی تھی، اس میں امام وقت کی اطاعت کا وہ مذہبی جذبہ نہ تھا جس طرح کا اول الذکر میں موجود تھا۔ ایسی حالت میں حضرت عثمانؓ نظام خلافت کے قیام و استحکام کے لئے اپنے قبیلہ بنی امیہ میں سے زیادہ افراد لینے پر مجبور ہوئے۔

۶۔ مختلف محکوم قوموں کے شورش پسند اشخاص اس لئے حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے درپے تھے کہ شاید اس سے ان کی حالت میں کوئی فرق پیدا ہو۔

۷۔ غیر قوموں کے جو لوگ مسلمان ہوگئے تھے یا مسلمانوں نے جن غیر قوموں کی عورتوں کو بیویاں یا باندیاں بنایا، ان کی اولادیں بھی فتنہ کا باعث بنیں۔

الغرض ہر جماعت اپنی غرض کے لئے کوشش میں مصروف تھی اس لئے خفیہ ریشہ دوانیاں شروع ہوگئیں۔ عمال کے خلاف سازشیں ہونے لگیں اور خود امیرالمومنین کو بدنام کرنے کی کوشش شروع ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے ان فتنوں کو جاننا چاہا لیکن یہ آگ ایسی لگی تھی کہ جس کا بجھانا آسان نہ تھا۔ فتنہ پردازوں کا دائرہ عمل روز بروز وسیع ہوتا گیا یہاں تک کہ تمام ملک میں ایک خفیہ جماعت پیدا ہوگئی تھی جس کا مقصد فتنہ و فساد برپا کرنا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے معلوم ہونے پر تقریباً دس آدمیوں کو جو اس جماعت کے سرکردہ تھے، شام کی طرف جلاوطن کردیا۔ (ابن اثیر، ۳: ۱۱۳)

اسی طرح بصرہ میں بھی ایک فتنہ پرداز جماعت پیدا ہوگئی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے یہاں سے بھی کچھ آدمیوں کو ملک بدر کرادیا۔ لیکن فتنہ کی آگ اس حد تک بھڑک چکی تھی کہ یہ معمولی چھینٹے اس کو بجھا نہ سکے بلکہ یہ انتقال مکانی اور بھی، ان خیالات کے فروغ کا سبب بن گئی۔

مصر سازش کا سب سے بڑا مرکز تھا، مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن یہودی تھے، ایک یہودی النسل نو مسلم عبداللہ بن سبا نے اپنی حیرت انگیز سازشانہ قوت سے مختلف الخیال مفسدوں کو ایک مرکز پر متحد کردیا۔

مفسدین کی جماعت تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھی اور ان میں سے ہر ایک کا مطمع نظر مختلف تھا اور آئندہ خلیفہ کے انتخاب کے بارے میں بھی ہر ایک کی نظر الگ الگ شخصیتوں پر تھی۔ اہل مصر حضرت علیؓ کے عقیدت مند تھے۔۔۔ اہل بصرہ حضرت طلحہؓ کے طرف دار تھے۔۔۔ اہل کوفہ حضرت زبیرؓ کو پسند کرتے تھے۔۔۔ اہل عراق کی جماعت تمام قریش سے عداوت رکھتی تھی۔۔۔ اور ایک

جماعت سرے سے عربوں ہی کے خلاف تھی لیکن امیرالمومنین حضرت عثمانؓ کی معزولی اور بنو امیہ کی بیخ کنی پر سب باہم متفق تھے۔ عبداللہ بن سبا نے بڑی حکمت عملی سے ان اختلافات سے قطع نظر کرکے سب کو ایک مقصد یعنی حضرت عثمانؓ کی مخالفت پر متحد کردیا اور تمام ملک میں اپنے داعی اور سفیر پھیلا دیئے تاکہ ہر جگہ فتنہ کی آگ بھڑکا کر بدامنی پیدا کردی جائے اور اس مقصد کے حصول کے لئے داعیوں کو حسب ذیل طریقوں پر عمل کی ہدایت کی:

۱۔ بظاہر متقی و پرہیزگار بننا اور لوگوں کو وعظ و نصیحت سے اپنا معتقد بنانا۔

۲۔ عمال کو تنگ کرنا اور ہر ممکن طریقہ سے ان کو بدنام کرنے کی کوشش کرنا۔

۳۔ ہر جگہ امیرالمومنین کی کنبہ پروری اور ناانصافی کی داستانیں مشتہر کرنا۔

ان طریقوں پر نہایت مستعدی کے ساتھ عمل کیا گیا۔ ولید بن عقبہ والی کوفہ پر شراب نوشی کا الزام لگایا اور حد بھی جاری کی گئی جو درحقیقت ایک بڑی سازش کا نتیجہ تھا۔۔ اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ والی بصرہ کی معزولی بھی ان ہی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی۔

۳۱ھ میں جب قیصر روم نے پانچ سو جنگی جہازوں کے بیڑے کے ساتھ اسلامی سواحل پر حملہ کیا اور مسلمان بڑے خوف وہراس میں مبتلا ہوگئے، اس وقت بھی یہ لوگ اپنی فتنہ انگیزی سے باز نہ آئے۔ حتی کہ محمد بن ابی حذیفہؓ اور محمد بن ابی بکرؓ بھی مفسدین کے دام تزویز میں پھنس چکے تھے۔ مدینہ منورہ بھی مفسدین سے خالی نہ تھا، کبار صحابہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ تھے اس لئے اعلانیہ اس جماعت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ البتہ حضرت عثمانؓ کے اخیر عہد یعنی ۳۵ھ میں مفسدین مدینہ اس قدر بے باک ہوگئے کہ بیرونی مفسدوں کی مدد سے ان کو خود امیرالمومنین پر بھی دست ستم دراز کرنے کی جرات ہوگئی۔ (ابن اثیر، ۳:۱۲۷)

محاصرہ

مذکورہ بالا فتنہ انگیز لوگ اپنے ناجائز مطالبات منوانے کے لئے حضرت عثمان غنیؓ پر دباؤ ڈالتے مگر آپؓ کمال جرأت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے ان کو تسلیم کرنے سے انکار فرمادیتے۔ مصر سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے بھی نظام مملکت میں بے جا دخل اندازی کی کوشش کی، آپؓ کے انکار پر انہوں نے آپؓ کے مکان کا محاصرہ کرلیا۔ ابتداء میں یہ محاصرہ نرم تھا، آپؓ مسجد میں آتے جاتے اور نماز کی امامت فرماتے اور یہ فتنہ پرور لوگ آپؓ کی اقتداء میں نماز بھی ادا فرماتے۔ لیکن بعد ازاں انہوں نے اس محاصرہ کو مزید سخت کردیا اور آپؓ کے گھر سے نکلنے پر بھی پابندی لگادی اور ان کا اپنا امیر غافقی امامت کرنے لگا۔

(تاریخ طبری، ۳:۳۵۴)

ایک دن حضرت عثمانؓ نے مکان کی چھت پر چڑھ کر باغیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو مسجد کی جگہ تنگ تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کون اس زمین کو خرید کر وقف کرے گا؟ تو میں نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔ اب تم مجھے اس مسجد میں نماز پڑھانے سے روکتے ہو۔۔۔؟ کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو مدینہ میں بئر رومہ کے سوا اور کوئی میٹھے پانی کا کنواں نہیں تھا اور یہ کنواں یہودی کی ملکیت تھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کون اس کنویں کو خرید کر عام مسلمانوں کے لئے وقف کرے گا اور اس کو اس سے بہتر جنت میں صلہ ملے گا۔ تو میں نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی اور آج تم نے مجھے اسی کے پانی پینے سے محروم کردیا۔۔۔ حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک کے لئے امداد کی اپیل کی تو میں نے سب سے زیادہ اس میں امداد کی۔ آپ ﷺ

نے مجھ کو جنت کی بشارت دی۔ باغیوں نے بیک زبان ہوکر کہا: آپ سچ فرمارہے ہیں۔۔۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کوہ احد پر تشریف لے گئے، آپ ﷺ کے ہمراہ ابوبکر، عمرؓ اور میں تھا۔ کوہ احد لرزنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: احد ٹھہر جا! اس وقت تیری پشت پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔۔۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے فرمایا کیا تمہیں یاد ہے کہ آپ ﷺ نے حدیبیہ میں مجھے سفیر بنا کر مکہ بھیجا تھا اور بیعت رضوان میں اپنے ایک ہاتھ کو میرا ہاتھ قرار دیا تھا اور میری طرف سے خود ہی بیعت کی تھی۔ سب نے کہا: آپ سچ فرمارہے ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل، جلد۱، الرقم: ۴۲۰)

حضرت عثمانؓ کی اس تقریر کا مقصد صرف باغیوں کے ضمیر کو جگانا تھا اور انہیں یہ سوچنے پر آمادہ کرنا تھا کہ وہ کس کے ساتھ یہ معاملہ کررہے ہیں۔ لیکن ان کا ضمیر مردہ ہوچکا تھا۔ اس لئے وہ ہر سوال کا جواب اثبات میں دینے کے باوجود اپنے موقف پر قائم رہے اور ان کا یہی مطالبہ تھا کہ امیرالمومنین حضرت عثمان غنیؓ خلافت سے دستبردار ہوجائیں۔ لیکن امیرالمومنین نے ان کا یہ مطالبہ سختی سے مسترد کردیا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا مشورہ

محاصرہ کے دوران حضرت مغیرہ بن شعبہؓ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ امیرالمومنین تین صورتیں ہیں، ان میں سے کسی ایک کو اختیار کیجئے:

۱۔ آپ کے پاس طاقت ہے، آگے بڑھیں اور ان باغیوں کا مقابلہ کیجئے۔

۲۔ یہاں سے نکل کر مکہ معظّمہ چلے جائیے۔

۳۔ حضرت معاویہؓ کے پاس شام چلے جائیے۔

حضرت عثمان بن عفانؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو جواب دیا کہ میں آپ کی تینوں باتوں تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوں اس لئے کہ

۱۔ میں ان کا مقابلہ نہیں کروں گا کیونکہ میں رسول اللہ ﷺ کا وہ پہلا خلیفہ بننا گوارا نہیں کرسکتا جس کے ہاتھوں امت میں خونریزی کا آغاز ہوا ہو۔

۲۔ اگر میں مکہ معظّمہ چلا جاؤں تو اس کی امید نہیں کہ یہ لوگ حرم الٰہی کی توہین نہیں کریں گے اور جنگ سے باز آجائیں گے، میں آپ ﷺ کی پیشنگوئی کے مطابق وہ شخص بننا نہیں چاہتا کہ جو مکہ جاکر اس کی بے حرمتی کا باعث ہو۔

۳۔ میں شام نہیں جاؤں گا، مجھے معلوم ہے کہ وہاں معاویہؓ موجود ہیں اور وہاں کے لوگ بھی وفادار ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ اور دار ہجرت سے جدائی اور دوری کس طرح منظور کرسکتا ہوں۔ (ایضاً)

حضرت عثمانؓ کے گھر میں صحابہ کرامؓ اور عام مسلمانوں کی خاصی جمعیت موجود تھی۔ انہوں نے آپ سے ان باغیوں سے لڑائی کی اجازت طلب کی۔ آپؓ نے فرمایا کہ اگر لڑائی مقصود ہے تو میں اس کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا، اس وقت میرا سب سے بڑا مددگار وہ ہے جو میری مدافعت میں تلوار نہ اٹھائے۔ (طبقات ابن سعد، ۳: ۴۸)

باغیوں کے محاصرہ کو چالیس دن گزر گئے تھے۔ آپ تک سامان خوردونوش پہنچانا مشکل تھا۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کچھ کھانے پینے کی اشیاء لے کر آئیں مگر باغیوں نے انہیں بھی اندر جانے کی اجازت نہیں دی۔ حضرت علیؓ پانی لے کر آئے تو باغیوں نے نیزوں سے پانی کی مشکیں پھاڑ ڈالیں۔

حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت

پچاس دن تک حضرت عثمان غنیؓ اسی مکان میں قید رہے، اس عرصہ میں برابر روزہ رکھتے رہے۔ ایک رات آپؓ نے خواب میں دیکھا کہ رسالت مآب ﷺ

حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تشریف لائے اور فرمایا اے عثمان! کیا تمہیں بہت بھوک لگی ہے؟ تم نے چالیس دن تک روزہ رکھا، اے عثمان! کل روزہ تم ہمارے پاس آ کر کھولو گے، ہم حوض کوثر سے تمہارا روزہ کھلوائیں گے، اے عثمان! کل تم شہید کئے جاؤ گے اور تمہارے خون کا پہلا قطرہ قرآن کی آیت: **فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم** پر پڑے گا۔

مصنف ''البدایہ'' حضرت عثمانؓ کی شہادت کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان غنیؓ کے دروازہ پر حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت حسن بن علیؓ اور کئی دوسرے حضرات پہرہ دے رہے تھے۔ باغیوں نے حملہ کیا۔ ان لوگوں نے مدافعت کی لیکن یہ حضرات زخمی ہوئے اور باغیوں کے چار آدمی دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہوگئے۔ کنانہ بن بشر نے آگے بڑھ کر پیشانی مبارک پر لوہے کی لٹھ اس زور سے ماری کہ پیشانی سے خون نکل آیا اور آپ زمین پر گر پڑے اور زبان سے بے ساختہ نکلا ''**بسم اللہ توکلت علی اللہ**'' اور اس کے ساتھ ہی پیشانی سے خون داڑھی سے ٹپک کر قرآن مجید پر بہنے لگا۔ یہاں تک کہ آیت ''**فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم**'' پس اب اللہ تعالیٰ آپ کو اُن کے شر سے بچانے کے لئے کافی ہوگا اور وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے''۔ پر پہنچ کر رک گیا۔

اس کے بعد سودان بن احمر نے تلوار کا وار کیا اور عمرو بن الحمق نے سینہ پر بیٹھ کر نیزہ سے مسلسل کئی بار حملہ کیا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ نے تلوار کے وار کو روکنا چاہا تو ان کے ہاتھ کی تین انگلیاں کٹ گئیں۔ اسی حالت میں حضرت عثمان غنیؓ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ عظیم حادثہ جمعہ کے دن عصر و مغرب کے درمیان 18 ذی الحجہ 35ھ کو پیش آیا۔

اتحادِ امت کے عظیم و مضبوط ستون

اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق فرمایا:

اصحابی کالنجوم فبایهم اقتدیتم فاهتدیتم.

(عبد بن حمید، المسند، ج۱، ص۲۵۰، رقم الحدیث۷۸۳)

’’میرے صحابہ ہدایت کے ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کسی کی پیروی اور اقتداء کرلو گے تم سیدھی راہ پالو گے‘‘۔

اہل بیت کرامؓ، صحابہ میں شامل ہیں لیکن ان کے متعلق یوں بھی ارشاد ہوا کہ

ترکت فیکم ما ان اخذتم به لن تضلوا کتاب الله وعترتی اهل بیتی.

(الجامع الصغیر للسیوطی، رقم الحدیث۱۹۴۲)

’’میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں اگر تم نے انہیں مضبوطی سے تھام لیا، تو میرے بعد کبھی بھی تم رستہ نہیں بھولو گے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری آل‘‘۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ ہم نے ان دونوں ارشاداتِ نبوی ﷺ کو نہیں مانا، ہم نے انہیں سرچشمہ ہدایت نہیں بنایا، ان کے دامن کو نہیں تھاما اور ان کے نقش قدم پر نہیں چلے بلکہ الٹا انہیں محل نزاع بنالیا ہے، ان کی ذات کو لڑائی کا محور اور جھگڑوں کا موضوع بنالیا ہے۔ شاید اس لئے کہ عمل مشکل ہے اور باتیں بنانا آسان۔ تعمیر بڑا بوجھل کام ہے لیکن تخریب بہت ہلکا پھلکا کام ہے، بلندی کی طرف جائیں تو صبر آزما مشقتوں کا سامنا ہوتا ہے لیکن پستی میں گرنا ہو تو اس پر کوئی زور صرف نہیں ہوتا۔

گویا جنہوں نے اندھیروں میں رستے دکھانا تھے، ہم انہی کے گریبانوں سے الجھ گئے اور جن کے دامن تھام کر ہم نے آگ اور پانی کے سمندر عبور کرنا تھے، ہم نے انہیں پہنچانا ہی نہیں۔ کئی صدیوں سے ہم اندھیروں میں گم ہیں اور آگ کے سمندر میں گرنے سے بے نیاز اور بے لحاظ بنے ہوئے ہیں، کیونکہ ہدایت کے ستاروں کو دیکھنے سے عاجز ہیں اور دامنِ رحمت کو تھامنے سے انکاری ہیں۔ اسی لئے ہمیں یہ معلوم ہی نہیں کہ صحابہ کرامؓ تو ہمارے لئے روشنی کے مینار ہیں اور اہل بیت اطہارؓ واقعی ہمارے اتحاد و اتفاق کے مضبوط ستون ہیں۔ ہم جنگ و جدل میں ایسے پھنسے ہیں کہ دوست اور دشمن میں تمیز کے قابل ہی نہیں رہے اور نہ ہمیں اپنے بھلے اور برے میں فرق کرنے کی توفیق ہورہی ہے۔

یہ بات ہمارے اذہان میں پختہ و مستحکم ہونی چاہئے کہ اہل بیت اطہارؓ اتحاد امت، ہماری وحدت اور اتفاق کے ستون ہیں اور انہی کی قربانیوں اور خدمات کی بناء پر آج اسلام زندہ ہے۔

شورائی جمہوریت کا قیام

از روئے قرآن، اسلام میں رائے، فکر اور عقیدہ کی مکمل آزادی ہے، دین میں کوئی جبرو اکراہ نہیں ہے۔ سب جانتے اور مانتے ہیں کہ شرک و بت پرستی گناہ کبیرہ ہے جس کے کبھی نہ بخشنے کا اعلان ربانی موجود ہے، مگر مشرکوں اور بت پرستوں کے مذہب میں مداخلت تو رہی ایک طرف، ان کے بتوں اور معبودوں کو برا کہنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اس لئے اسلام پر یہ بے سروپا الزام ہے کہ وہ تشدد اور تلوار سے پھیلا اور مسلمانوں پر یہ بے بنیاد تہمت ہے کہ وہ آزادیٔ فکر وعقیدہ پر یقین نہیں رکھتے یا وہ شدت پسند یا دہشت گرد ہیں۔

اسلام سے بڑا کوئی روادار مذہب نہیں ہے بلکہ اسلام سے پہلے فکروعقیدہ کی آزادی اور رواداری سے تو کوئی واقف بھی نہیں تھا۔ اسلام کی اشاعت تو صرف حسن گفتار اور حسن کردار کا نتیجہ ہے۔

اسلام کا نظام حکمرانی، شورائی جمہوریت پر قائم ہے جو مغرب کے نام نہاد سیکولر اور جمہوری نظام سے بہتر اور برتر ہے، اس میں جمہور عوام کی شراکت اور مشاورت کا حکم ہے: **امرھم شوری اور شاورھم فی الامر** پر عمل ہوتا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ امت کی مشاورت اور اکثریت رائے کو پسند فرماتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر مشاورت کو پسند کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ غزوہ بدر کے موقع پر آپ ﷺ نے سات سے زیادہ بار مشورہ کیا۔ غزوہ احد کے موقع پر اہل رائے کی بجائے اکثریت کی رائے پر عمل کیا اور آپ ﷺ کے لئے حکم ربانی تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہر حال میں مشاورت میں شریک رکھئے۔

رسول اللہ ﷺ کے وقت دنیا میں بادشاہت اور شہنشاہیت تھی یا خانہ بدوش قبائلی زندگی تھی مگر آپ ﷺ ان دونوں نظاموں سے بری تھے، آپ ﷺ کوئی نئ قسم کی بادشاہت قائم کرنے نہیں آئے تھے بلکہ شورائی جمہوریت کی حکمرانی کے لئے تشریف لائے تھے جو مغربی جمہوریت سے بہتر اور برتر ہے۔ شورائی جمہوریت میں ہر فرد خود کو شریک حکمرانی سمجھتا ہے، اس کی بات سنی اور مانی جاتی ہے۔ اسی پر خلافت راشدہ قائم تھی اور اسی کے لئے اہل بیت کرامؓ نے قربانیاں دیں اور یوں وہ اتحاد امت کے ستون ثابت ہوئے۔ آیئے! اہلِ بیت اطہار کے اس کردار پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

اتحاد امت کے ان ستونوں کا ستون اپنے وقت میں بنو ہاشم کے گل سرسبد حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں۔ وہ سردار بنو ہاشم حضرت ابو طالب کے سرکردہ اور نمایاں فرزند ارجمند ہیں، ان کے بارے ہی میں رسالت مآب ﷺ نے فرمایا تھا کہ

انا مدينة العلم وعلى بابها.

(ابن اثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج۴، ص۲۲)

’’میں علم کا شہر ہوں اور علی اس شہر کا دروازہ ہیں‘‘۔

میرا یہ ایمان ہے کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ **افضل البشر بعد الانبياء** ہیں کیونکہ میرے نزدیک وہ یار غار بھی ہیں، سفر و حضر میں ایک خادم، ایک محافظ اور ایک جان نثار کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کے آگے پیچھے، دائیں بائیں رہے اور امت کا بوجھ اس وقت اٹھایا جب وہ لاوارث ہوکر خطرات میں چاروں طرف سے گھر چکی تھی، حتی کہ سید امیر علی نے کہا کہ: اگر ابوبکر صدیقؓ نہ ہوتے تو اسلام پہلے قدم پر ہی بکھر جاتا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

But for him Islam, would melted in the thrown of its birth.

میں یہ سب کچھ اپنے یقین اور ایمان کی بنیاد پر

کہہ رہا ہوں کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم بلا شبہ علم نبوی کا دروازہ تھے۔ قاضی صحابہ کرام اور شیر خدا، فاتح خیبرؓ فرماتے ہیں کہ میں یہ جانتا ہوں اور بتا سکتا ہوں کہ قرآن کریم کی فلاں فلاں آیت کب، کہاں اور کیسے نازل ہوئی؟ اور اس آیت کا شان نزول، معنی ومفہوم اور مدلول و مقصود کیا ہے؟ جو شخص روز اول سے وقت آخر تک، غار حرا میں قرآن کے نزول سے لے کر ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا''۔ (المائدۃ: ۳) کے نزول تک رسول اللہ ﷺ کے پاس رہا ہو، پیغمبر ﷺ کے مزاج، اخلاق اور نبوت کے نشیب وفراز سے پوری طرح آگاہ ہو، تو کیا وہ علم نبوی کے شہر کا ''باب العلم'' نہیں ہوگا؟۔۔۔ اور اقضی الصحابہ، فصاحت و بلاغت کے امام، بلاشبہ، باب العلم نبوی بھی تھے اور اس کا ثبوت عملی زندگی میں انہوں نے قدم قدم پر دیا۔

تینوں خلفاء راشدین سے حضرت علیؓ نے دلی تعاون بلکہ بعض اوقات تو سہارا دینے اور ڈھال بننے کا بھی عملی مظاہرہ کیا۔ اس سے صحابہ کرامؓ کی رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کے ارشاد ربانی کے مطابق باہمی محبت اور وضع داری کا بھی ثبوت ملتا ہے اور واضح ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ اتحاد امت کے لئے اہل بیتؓ میں سے پہلے اور ارفع و اعلیٰ ستون تھے۔ اس میں اگر آپ کوفہ کا وہ منظر بھی شامل کرلیں جو ملعون ابن ملجم خارجی کے ہاتھوں شہادت کے وقت دیکھنے کو ملتا ہے کہ جب اطباء نے امیرالمومنین حضرت علیؓ کو بتادیا کہ آپ کا جان بر ہونا ممکن نظر نہیں آتا تو لوگوں نے مشورہ دیا کہ حضرت امام حسنؓ کو اپنا جانشین نامزد کردیجئے تو اس موقع پر انہوں نے جو ارشاد فرمایا وہ جہاں ان کے باب العلم ہونے کا ثبوت ہے وہاں رسول اللہ ﷺ کے عطا کردہ شورائی جمہوری نظام کو اپنائے رکھنے پر ان کے یقین کا بھی آئینہ دار ہے اور اپنے ساتھی خلفائے راشدینؓ کے احترام کا بھی آئینہ دار ہے۔ لیکن سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خلافت کو جمہور المسلمین کا حق تصور کرتے تھے جو شوریٰ اور برضا و رغبت بیعت کرنے (دوسرے لفظوں میں آزادانہ رائے دہی) سے وابستہ ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تھا کہ اگر میں نامزد کرتا ہوں تو میرے سامنے ایک ایسی ہستی کی مثال موجود ہے جو مجھ سے بہتر تھے یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ جنہوں نے اپنی کسی وارث کو نہیں بلکہ اپنی نظر میں سب سے بہتر اور اس منصب کے اہل حضرت عمر بن الخطابؓ کو (حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ذریعہ سے عوام کی رضا مندی معلوم کرنے کے بعد) اپنا جانشین نامزد کیا تھا اور اگر کسی کو نامزد نہیں کرتا تو پھر یہ ایک ایسی ہستی کی پیروی ہوگی جو افضل البشر تھے یعنی رسول اللہ ﷺ کی پیروی ہوگی۔ پھر لوگوں نے عرض کیا کہ ہمیں اجازت دے دیجئے کہ ہم حضرت امام حسنؓ کی بیعت کرلیں تو آپؓ نے فرمایا تھا:

لا آمرکم ولا انھاکم.

''میں تمہیں اس کا نہ حکم دیتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں''۔

گویا یہ جمہور امت کا حق ہے جسے چاہیں آزادانہ رائے سے اپنا حکمران منتخب کریں۔ اس طرح گویا اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے سردار حضرت علی المرتضیٰؓ نے طرز حکمرانی کے متعلق نبوی مؤقف کو عیاں کردیا اور اہل بیتؓ کے لئے بھی ایک مثالی مؤقف متعین فرمادیا، جسے اہل بیت کرامؓ نے مضبوطی سے سنبھالے رکھا اور جمہور المسلمین کے اس حق کا دفاع کرتے رہے اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی بھی دیتے رہے، یوں گویا موروثی جانشینی کو مسترد کرتے رہے۔ عامۃ الناس کی اکثریت اور جمہور المسلمین کے حق کا دفاع کرنے سے ان کے اتحاد کی نہایت مضبوط اور ناقابل شکست بنیاد قائم ہوتی ہے، جس کی پہلی مثال خود رسول اللہ ﷺ نے قائم فرمائی اور اس کی تائیدی مثال اور موقف سے حضرت علیؓ اتحاد امت کا ستون بن گئے جو غیر فانی ستون بھی ہے اور اہل بیت

کرامؓ کے لئے زندہ و جاوید اور قابل تقلید نمونہ بھی۔

حضرت امام حسن المجتبیٰؓ

اہل بیتؓ میں سے سیدنا ابو محمد الحسن بن علی المرتضیٰؓ نے اتحاد امت کے لئے جو نمونہ قائم فرمایا وہ جانشینی میں موروثیت کے مستانوں، اقتدار کے بھوکوں اور کرسی کے پجاریوں کے لئے ایک تازیانہ عبرت ہے۔ خلافت کے مسئلہ پر امت مسلمہ دو منظّم جماعتوں میں تقسیم ہوچکی تھی اور خوفناک تصادم سر پر تھا۔ خوارج کا فتنہ اس کے علاوہ تھا۔ اس موقع پر حضرت امام حسنؓ نے خوفناک و خطرناک مگر بے سود تصادم کے انجام کو بھانپ لیا تھا۔ اتحاد امت کی خاطر مصالحت کی راہ اختیار کی اور ساتھ ہی اپنے نانا ﷺ کی ایک پیشین گوئی کو بھی سچا کر دکھایا کہ

ان ابنی هذا سید ولعل الله ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین. (المرقاۃ شرح مشکوۃ المصابیح، باب المناقب اہل بیتؓ، ص۳۷۹)

''میرا یہ بیٹا مصالحت کے موقف سے امت کے دو گروہوں کو تصادم سے بچائے گا''۔

اس میں کرسیٔ اقتدار کے پجاریوں کے لئے بھی بہت بڑی عبرت ہے جو تخت حکومت کو خلق خدا کی ایک بہت بڑی ذمہ داری اور بوجھ سمجھنے کی بجائے عیش پرستی اور زر اندوزی کا محض کھیل سمجھتے ہیں۔ تاریخ حضرت امام حسنؓ کے اس مستحسن موقف کو امت کے لئے امن اور اطمینان کا تحفہ اور سنہ ۴۱ ہجری کو عام الجماعۃ (یعنی امت مسلمہ کے اکٹھے ہونے اور متفق ہونے کا سال) قرار دیتی ہے۔ اس لئے ان کا یہ مصالحانہ موقف انہیں اتحاد امت کا مضبوط و بہترین ہی نہیں بلکہ سنہری ستون کا درجہ دیتا ہے۔

حضرت امام حسینؓ

سیدنا حضرت امام حسینؓ کا موقف تو بہت ہی اہم، سبق آموز اور نتائج و اثرات کے لحاظ سے بے حد دور رس ہے، اس سے بحث نہیں کہ آپ مدینۃ النبی ﷺ سے کیوں اور کن حالات میں نکلے تھے؟ مگر دو باتیں بالکل واضح ہیں:

ایک یہ کہ کوفیوں نے انہیں خطوط لکھ کر بلایا تھا مگر بزدلی اور بے وفائی کا مظاہرہ کیا۔

دوسرا یہ کہ اگر سیدنا حضرت امام حسینؓ نہ بھی نکلتے تو یزید ملعون نے انہیں امن و اطمینان سے جینے نہیں دینا تھا۔ آپؓ اس لعین کی ہٹ لسٹ میں سب سے اوپر تھے جیسا کہ اس نے مدینہ منورہ پر حملہ کرواکر کبار صحابہؓ کی ایک جماعت کو شہید کیا اور شہر میں قتل و غارتگری کا بازار گرم کیا۔ وہ مکہ مکرمہ میں بھی ایسے ہی اقدام کا عزم رکھتا تھا۔ شہدائے کربلا پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس نے کہا تھا کہ آج بنو امیہ نے بنو ہاشم سے اپنا انتقام لے کر سینوں کو ٹھنڈا کرلیا ہے۔

مگر یہاں ایسی باتوں میں پڑنے کی بجائے صرف یہ دیکھنا ہے کہ سیدنا امام عالی مقام حضرت امام حسینؓ کے موقف سے امت مسلمہ کو کیا فائدہ ہوا۔۔۔؟ ان کی شہادت عظمٰی اپنے اندر کیا پیغام لئے ہوئے ہے۔۔۔؟ اور اتحاد امت کے لئے ان کی کیا خدمات ہیں۔۔۔؟

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کا موقف خلفائے راشدینؓ کی سچائی اور حقانیت پر مہر تصدیق ہے۔ سیدنا حضرت امام حسینؓ نے ثابت کردیا کہ اگر خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر ابن الخطابؓ اور حضرت عثمانؓ معاذ اللہ! یزید کی مانند حق پر نہ ہوتے تو شمشیر حیدری ہرگز میان میں نہ رہتی کیونکہ بیٹا اپنے والد گرامی سے قوت، شجاعت اور جرأت میں بڑھ کر نہ تھا، کس میں جرأت تھی کہ حیدر کرار کے ہوتے ہوئے نظام مصطفیٰ ﷺ سے روگردانی کرتا یا ناحق منصب خلافت پر قابض ہوسکتا؟ اگر ایسا ہوتا تو کربلا کی نوبت ہی نہ آتی بلکہ فیصلہ مدینہ منورہ میں شمشیر حیدری کرچکی ہوتی۔ حضرت علیؓ خلفائے ثلاثہ کے

معاون ومشیر نہ بنتے اور حضرت عثمانؓ کے لئے ڈھال بننے کی پیشکش نہ فرماتے بلکہ خود حضرت امام حسینؓ اپنے بھائی کے ساتھ حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے کھڑے نہ ہوتے۔ یہ حسینی موقف اتحاد امت کی بے حد پختہ بنیاد ہے۔

یہ دیکھ کر کہ یزید کی نامزدگی اور تخت نشینی، اس شورائی و جمہوری نظام مصطفی ﷺ سے مکمل انحراف ہے اور یہ کہ حرمین شریفین میں کبار صحابہؓ کی بہت بڑی تعداد بھی اس یزیدی جسارت کے خلاف ہے۔ اہل کوفہ کی دعوت پر حضرت امام حسینؓ نکل پڑے تھے۔ انہیں امید تھی کہ عراقی شمشیر زن، حرمین شریفین کے اہل حل و عقد کے تعاون سے نیک فطرت شامیوں کو بھی یزید کو مسترد کرنے اور جمہور امت سے آملنے کی کوشش کریں گے۔ مگر حضرت امام عالی مقامؓ کے کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی یزیدی اوباشوں نے ابن زیاد کی قیادت میں نہ صرف کوفیوں بلکہ عراقیوں کے حوصلے بھی پست کردیئے تھے اور یوں بقول حجاج بن یوسف اہل عراق اہل نفاق کا لباس پہن چکے تھے۔

چنانچہ پیغامات کے تبادلے اور گفتگو کے بعد حضرت امام حسینؓ پر واضح ہوچکا تھا کہ اب ان کے سامنے تین راستے رہ گئے ہیں:

۱۔ یزید کی بیعت ۲۔ شہادت ۳۔ مدینہ منورہ واپسی

آخری بات یزیدی اوباشوں نے نہ مانی اور پہلی بات حیدر کرارؓ کے حوصلہ مند وحق پرست فرزند حضرت امام حسینؓ نے ٹھکرادی۔ یہ بہت بڑی عزیمت والا فیصلہ تھا۔ اللہ کی راہ میں اپنا سر پیش کرنا اور اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کے عزم وارادے کو دیکھ کر ان کی جانوں کی قربانی پیش کردینے کا حوصلہ اور جرأت صرف اور صرف حسین ابن علیؓ کا کام تھا۔ حضرت امام حسینؓ کی نگہ بلند نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ ان کی اس قربانی سے نظام مصطفی ﷺ کی شورائی جمہوریت سے یزیدی انحراف بھی ذلت کی موت مرجائے گا اور نظام مصطفی ﷺ بھی زندہ و پائندہ ہوجائے گا۔

؎ قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

حضرت امام حسینؓ تو شہادت عظمی کے منصب پر فائز ہوکر زندۂ و پائندہ ہوگئے مگر امت کو مسلک حسینیت عطا فرماگئے۔۔۔ نہیں بلکہ پوری انسانیت کو ہمت و جرأت کا سبق پڑھاگئے۔ اب دنیا کی ہر آمریت، یزیدی آمریت کا انجام بد دیکھ کر ترساں ولرزاں رہتی ہے۔ بقول شاعر

؎ اب کوئی کسی سے بیعت طلب نہیں کرتا
کہ اہل تخت کے ذہنوں میں ڈر حسینؓ کا ہے!!

گذشتہ صدیوں کے دوران اہل بیت کرامؓ نے مسلک حسینیت کو زندہ رکھا ہے۔ نظام مصطفی ﷺ کی شورائی جمہوریت کا علم بلند کرکے آمریت کو ہمیشہ ٹھکرایا ہے۔ علمائے حق اور صوفیائے کرام نے بھی دامے، درمے اور سخنے ان کی تائید وحمایت کی ہے۔ چاروں ائمہ فقہ اور چاروں سلاسل کے خلفاء کی زندہ مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ اتحاد امت کے یہ ستون آج بھی زندہ و پائندہ اور ہمارے لئے مشعل راہ کا کام دے رہے ہیں۔ دنیا کی نام نہاد سیکولر جمہوریت بے معنی بات ہے مگر نظام مصطفی ﷺ کی شورائی جمہوریت ہی بہتر ہے، جس میں جمہور عوام کی آواز بلا امتیاز سنی جاتی ہے۔۔۔ حکام ان کے آقا نہیں بلکہ خادم ہوتے ہیں۔۔۔ حکمران عام آدمی کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے۔۔۔ یہ جمہوریت انصاف کی بنیاد پر، امن کی بھی ضامن ہے۔ اس میں عقل و ہنر کی بات معتبر ہوتی ہے۔۔۔ اور اس میں موروثی جانشینی بھی مسترد ہے۔ اسی شورائی جمہوریت کے محافظ ونقیب اہل بیت اطہارؓ ہیں جو آج بھی اتحاد امت کے ستون کا کام دے رہے ہیں۔

معاشی و نظریاتی دہشت گردی کا خاتمہ

کیونکر ممکن ہے؟

یمین الحق بغدادی

مملکتِ خداداد پاکستان آج ایک نہیں بلکہ کئی قسم کی دہشت گردی کا شکار ہے۔ جس میں مسلح دہشت گردی، سیاسی دہشت گردی، معاشی دہشت گردی، نظریاتی و فکری دہشت گردی نمایاں ہیں۔ ہمیں دہشت گردی کی ہر قسم کی جانب متوجہ ہوکر ان کی نہ صرف بیخ کنی کرنا ہوگی بلکہ ان اسباب و ذرائع کا بھی خاتمہ کرنا ہوگا جو ان دہشت گردیوں کو پروان چڑھاتے ہیں۔ آیئے ان پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

مسلح دہشت گردی

پاکستان میں گزشتہ 13 سال میں تقریباً 55 ہزار جانیں ضائع ہوئیں۔ دہشت گردی کے اس عفریت سے نمٹنے کیلئے اس وقت پوری قوم فوج کی قیادت میں کمر بستہ ہے۔ دہشت گردی سے نمٹنے کیلئے پالیسی بنانا، قانون سازی کرنا اور عمل کروانا پارلیمنٹ کا کام ہے مگر حکومت کی ناکامی کے بعد اب یہ ذمہ داری فوج نے سنبھال لی ہے۔ امید ہے کہ ضربِ عضب کے نتیجے میں ان شاء اللہ پاک سرزمین اس عفریت سے نجات حاصل کرلے گی۔

دہشتگردی کا یہ ''تحفہ'' ہمیں ہمارے حکمرانوں ہی کی وجہ سے ملا۔ اس لئے کہ یہ دہشت گرد ہمارے حکمرانوں ہی کے پالے ہوئے ہیں اور گزشتہ کئی دہائیوں سے انہوں نے ان دہشت گردوں سے صرفِ نظر کئے رکھا جس کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑا۔ اس مسلح دہشت گردی کی وجہ سے ملک میں بدامنی پھیلی، سرمایہ کار دوسرے ممالک کا رخ کرنے لگے اور بیرونی سرمایہ کار ہمارے ملک میں انویسٹمنٹ سے ڈرنے لگے۔ کرپٹ سیاسی جماعتیں اور اقتدار پر مسلط کرپٹ حکمرانوں نے اپنی کرپشن اور ناپاک عزائم کے حصول اور سیاسی مخالفوں کو کچلنے کیلئے انہی دہشتگردوں کا سہارا لیا۔ یہ عوام کے بنیادی حقوق غصب کرتے ہوئے عوام کی دولت لوٹ لوٹ کر بیرون ملک بینکوں میں منتقل کرتے رہے اور اپنی جائیدادیں بنانے میں مصروف رہے۔ پاک آرمی جب ان دہشت گردوں کے خلاف آپریشن کی بات کرتی تو ہمارے سیاست دان جو اصل میں دہشت گردوں کے سہولت کار تھے، حیلے بہانے کرتے اور دہشت گردوں کو تیاری کرنے یا بچنے کے مواقع فراہم کرتے۔

ان حالات میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے پاکستان آرمی کے جوانوں کے حوصلے بلند کیے اور دہشت گردی کی جنگ میں شہادت کے رتبے کو عام حالات کی شہادت سے قرآن و سنت سے 10 گنا زیادہ ثابت کر کے پاک آرمی کے دہشتگردی کے خلاف لڑنے کے جذبے کو تقویت بخشی۔ انہوں نے دہشت گردوں کے ساتھ مذاکرات کو بے سود قرار دے کر دہشت گردی کا حل قومی آپریشن ہی قرار دیا۔

معاشی دہشت گردی

اس ملک میں کچھ اور ایسے عوامل بھی ہیں جو دہشت گردی سے بھی زیادہ خطرناک ہیں مگر ہماری توجہ ان کی طرف نہیں جاتی۔ اگر ہم اس طرف متوجہ نہ ہوئے تو اس کے نتائج پوری قوم کو بھگتنا ہوں گے اور یہ سلسلہ شروع بھی ہوچکا ہے۔ افسوس کے جس طرح ہمارے حکمرانوں کی ناکام پالیسیوں کی وجہ سے ملک مسلح دہشت گردی کی لپیٹ میں آ گیا ہے، اسی طرح پورا ملک ان نااہل حکمرانوں کی ناکام پالیسیوں کی وجہ سے سیاسی و معاشی دہشت گردی کا بھی شکار ہوچکا ہے۔ مسلح ہوکر لوگوں کو مار ڈالنا، خودکش دھماکے کرنا ہی صرف دہشت گردی نہیں بلکہ عوام کو شعوری طور پر اُن کے حقوق نہ دینا اور ان کے بنیادی حقوق تک کو پامال کرنا بھی دہشت گردی ہی ہے۔ آیئے ان نااہل حکمرانوں کی سیاسی و معاشی دہشت گردی پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

☆ روٹی ،کپڑا، مکان، تعلیم اور صحت کسی بھی انسان کا بنیادی حق ہے اور آئین کے آرٹیکل 37اور 38 کے مطابق حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کو ان بنیادی حقوق کی دستیابی ممکن بنائے۔ افسوس کہ ہر سال سیلاب اور بارشوں کی وجہ سے ہمیں جو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا ہے، حکمران ان کے ازالہ اور سیلاب کی روک تھام کے بندوبست کرنے سے بھی عاری ہیں۔ حکومت کی طرف سے متاثرین کیلئے چند ارب روپے تقسیم کیے جاتے ہیں جبکہ عوامی حلقوں اور سماجی تنظیمات کی طرف سے دی جانے والی امداد اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اور یہ Exercise ہر سال دہرائی جاتی ہے اگر حکمران عقل مند اور محبّ وطن ہوں تو اتنے پیسوں سے سیلاب کو روکنے کا بندوبست کیا جاسکتا ہے اور جانی و مالی نقصان سے بھی بچا جاسکتا ہے۔

☆ صحت اور علاج معالجے کی سہولیات کا اندازہ ان اعداد وشمار سے لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں ہر سال 5 سال سے کم عمر 3 لاکھ 52 ہزار بچوں کی اموات واقع ہوتی ہیں۔ پیدائش کے وقت ایک ہزار میں سے 48 بچے پیدائش کے پہلے دن موت کا شکار ہوتے ہیں اور یہ شرح باقی ممالک کے مقابلے میں بلند ترین شرح ہے۔ اسی طرح پاکستان میں دوران زچگی سالانہ 28 ہزار مائیں زندگی سے ہاتھ دھوبیٹھتی ہیں۔

☆ اگر تھرپارکر میں قحط سالی کی وجہ سے 648 بچے مرتے ہیں تو اس سال فیصل آباد کے الائیڈ ہسپتال میں بچوں کی رجسٹرڈ اموات 2300 تک پہنچ گئی تھیں اور سرگودھا میں صرف ایک ماہ میں غریب خاندانوں کے 80 بچوں کی اموات طبی سہولیات کی عدم دستیابی کی وجہ سے ہوئی۔

اسی طرح تقریباً 25 فیصد بچے غذائی قلت کی وجہ سے کم وزن پیدا ہوتے ہیں اور 40فیصد بچے غذائی قلت کی وجہ سے ذہنی صلاحیتوں سے محروم ہوتے ہیں۔سالانہ 71000 بچے نمونیا کی وجہ سے فوت ہو جاتے ہیں۔

☆ جو والدین سکولوں کی فیس برداشت نہیں کر سکتے وہ بچوں کو مزدوری پر لگا دیتے ہیں۔ کچھ اپنے بچوں کو دینی مدارس میں روٹی کی خاطر بھجوا دیتے ہیں جہاں وہ دہشت گرد بنتے ہیں یا متعصب مولوی جو کسی بھی صورت دہشت گرد سے کم نہیں ہوتے۔ حکومتی تعلیمی اداروں میں معیارِتعلیم اتنا کمزور ہے کہ بچوں کا کردار بننے کے بجائے بگڑتا ہے۔ حکومتی نظام تعلیم کا کمزور ہونا فطری عمل ہے کیونکہ بڑے پرائیویٹ سکولز کے مالکان کسی نہ کسی طرح حکومتی مشینری کا حصہ ہوتے ہیں اور اُن کی شعوری کوششوں سے پرائیویٹ اور سرکاری سکول سسٹم میں فرق واضح کرنے کیلئے حکومتی نظام تعلیم کو کمزور رکھا جاتا ہے تاکہ لوگ پرائیویٹ سکول میں بچے کے داخلے پر مجبور ہو جائیں اور

حکمرانوں کا کاروبار تعلیم بھی چلتا رہے۔

☆ planning and division development کی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں رجسٹرڈ ڈاکٹرز کی تعداد ایک لاکھ 67 ہزار سات سو ہے یعنی 1206 افراد کیلئے ایک ڈاکٹر ہے۔ 1665 مریضوں کیلئے ہسپتال میں ایک بستر ہے۔ 16426 افراد کیلئے ایک ڈینٹل ڈاکٹر ہے۔ مناسب تنخواہیں اور سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے پاکستانی ڈاکٹرز دوسرے ممالک کا رخ کرتے ہیں۔ صرف امریکہ میں اس وقت 17 ہزار پاکستانی ڈاکٹرز ہیں اور کئی ڈاکٹرز گورنمنٹ ہسپتالوں کو چھوڑ کر پرائیوٹ ہسپتال کا رخ کر رہے ہیں۔ جو ہسپتال موجود ہیں وہاں ادویات اور دیگر آلات کی کمی ہے اور جہاں ڈاکٹرز موجود ہیں وہاں ڈاکٹرز کو سہولیات نہ ملنے کیوجہ سے ہر آئے دن ڈاکٹرز ہڑتال پر رہتے ہیں۔ تاجر حکمران ملک کے سرکاری اداروں کو آہستہ آہستہ اپنی تحویل میں لے رہے ہیں اور اسی سلسلے میں اس وقت سرکاری ہسپتالوں کو پرائیویٹ کیا جارہا ہے تاکہ عوام کے سانس بھی اب ان تاجر حکمرانوں کے ہاتھ میں ہوں اور مجبور و بے بس سسکتی ہوئی عوام کے پاس جو کچھ ہے وہ اپنے پیاروں کی سانسوں کے بدلے ان کی جیبوں میں آجائے۔

☆ ان حکمرانوں کی صحت بارے پالیسی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 1980ء میں ایک یونین کونسل کیلئے ایک بنیادی مرکز صحت قائم کیا گیا تھا جو آج بھی ایک ہی ہے البتہ اس کی حالت بہتر ہونے کے بجائے ابتر ہوگئی ہے اور عملہ وہاں سے غائب ہے جبکہ 1980ء کے مقابلے میں آبادی 4 گنا بڑھ گئی ہے۔ اب آبادی کے تناسب سے ان دیہی طبی مراکز کو ایک سے بڑھ کر 4 ہونا چاہیے تھا، اس سے حکومتوں کی سنجیدگی کا اندازہ ہوتا ہے۔

☆ گیسٹرو، ہیپاٹائٹس اور کئی دیگر بیماریاں پانی کی خراب صورتحال کی وجہ سے جنم لے رہی ہیں۔ اس وقت پانی کی قلت کے اعتبار سے پاکستان پہلے سترہ ممالک میں شامل ہے۔ پاکستان کی دو تہائی آبادی پینے کے صاف پانی سے محروم ہے۔ وفاقی وزارت سائنس وٹیکنالوجی کے ذیلی ادارے پی سی آر ڈبلیو آر جو ملک میں پانی کے متعلقہ مسائل کے ادارک اور ان کے حل کیلئے کام کرتا ہے کے چیئرمین نے بی بی سی کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں بتایا کہ جب پاکستان وجود میں آیا اس وقت ہر شہری کیلئے پانچ ہزار 6 سو کیوسک میٹر پانی تھا جو کم ہوکر 2012ء میں ایک ہزار کیوسک میٹر رہ گیا تھا اور 2025ء میں یہ مقدار کم ہوکر 8 سو کیوسک میٹر رہ جائے گی۔ ایسے حالات میں جب پانی کی مقدار کم ہو رہی ہو پانی کے ذخائر بنانے کی ضرورت ہے۔ 1976ء کے بعد سے ابھی تک کوئی خاطر خواہ ڈیم یا ذخیرہ نہیں بنایا گیا۔ حالانکہ اگر صرف سیلاب کے پانی کو ہی محفوظ کرلیا جائے تو یہ زراعت اور بجلی کیلئے کافی ہے۔

یہ وہ چیزیں ہیں جو پاکستانی عوام کیلئے مسلح دہشتگردی سے زیادہ خطرناک ہیں مگر ہمارے حکمران دانستہ طور پر اِن امور کی طرف بہت کم توجہ دیتے ہیں۔

ان حالات میں قائد انقلاب نے اپنی منصبی ذمہ داری کے مطابق نہ صرف ان مسائل کے بارے عوام کو آگاہ کیا بلکہ بیداری شعور مہم کے ذریعے دسمبر 2012ء سے لے کر 21 اکتوبر 2014ء دھرنے کے اختتام تک بالخصوص اس سیاسی و معاشی دہشت گردی کے ذمہ داران حکمرانوں کے چہروں کو بے نقاب کیا۔ آپ نے ان مسائل کے اسباب ومحرکات کے بارے میں بھی قوم کو آگاہ کیا اور پھر اس پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان مسائل کے خاتمے کیلئے عملی طور پر میدان میں نکلے۔ اس موقع پر پاکستان عوامی تحریک کے کارکنان نے اس ملک اور عوام کیلئے جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ اسلام آباد کی طرف تاریخی لانگ مارچ کیا اور دھرنا دیا۔ آج ملک میں دہشت گردی کے خلاف فیصلہ کن جنگ کی بات ہو یا کرپٹ اور

بددیانت حکمرانوں کی گرفت کی بات، یہ تمام PAT کے کارکنان کی قربانیوں ہی کے مرہون منت ہے۔ وگرنہ قائد انقلاب کی انقلابی جدوجہد سے قبل تو یہاں کے حالات ہی یکسر مختلف تھے۔ راوی حکمرانوں کے لئے ہر طرف چین ہی چین لکھتا تھا۔ قائد انقلاب کی جدوجہد PAT کے کارکنان کی قربانیوں کی بدولت پاکستانی عوام اور ملکی ذمہ دار اداروں کو سوچ ملی۔ پس آج دہشت گردی اور کرپشن کے خاتمے کیلئے جو کچھ ہو رہا ہے وہ PAT کی دی ہوئی سوچ ہی کا نتیجہ ہے۔

نظریاتی دہشت گردی

مسلح دہشت گردی کا کماحقہ خاتمہ اسی صورت ممکن ہے جب اس رویہ کو جنم دینے والے نظریات و افکار کو بھی ان کی بنیادوں سے ختم کیا جائے۔ ایک وقت تھا کہ عوام کیا خواص بھی دہشتگردی کے لفظ سے ناآشنا تھے مگر حضرت انسان کی خواہشات کے حصول کے جنون نے آج لفظ دہشت گردی کو اتنا عام اور معروف کر دیا ہے کہ خواص کیا عوام کا بچہ بچہ نہ صرف اس منحوس لفظ سے آشنا ہے بلکہ براہ راست دہشت گردی سے متاثر بھی ہے۔ اس وقت زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں دہشت گردی کے آثار نہ ہوں اور اب یہ ہمارے معاشرے کا ایسا ناسور بن چکے ہیں جس سے چھٹکارے کا ہر کوئی خواہاں ہے۔

جب جسم کا کوئی حصہ خراب ہو جائے اور علاج معالجے کے باوجود درست نہ ہو اور جسم کیلئے ناسور بن جائے تو ایسی صورت میں باقی جسم کی صلاحیت کو برقرار رکھنے کا تقاضا ہے کہ اس ناسور کو کاٹ کر جسم سے علیحدہ کر دیں۔ مگر یہ عمل کب ہو گا۔۔۔؟ جب بیماری کی تشخیص ہو جائے گی کہ یہ فلاں بیماری ہے اور اب تقریباً لاعلاج ہو چکی ہے۔ بیماری کی تشخیص وتعین کیلئے کسی ماہر طبیب کا ہونا ضروری ہے اور پھر ماہر سرجن ٹیم کا ہونا بھی ضروری ہے کہ جس حصے کو ماہر ڈاکٹر نے متعین کیا وہ اسی حصے کو ماہرانہ طریقے سے الگ کریں۔ ان دونوں ٹیموں کی کم علمی کی بنا پر انسانی جان بھی جاسکتی ہے۔

قابل افسوس امر یہ ہے کہ آج تک نہ تو دہشت گردی کی کسی ایک تعریف پر بین الاقوامی معاشرے کا اتفاق ہے اور نہ ہی دہشت گردی کے اسباب کا تعین کیا گیا تاکہ تمام ممالک و اقوام اس ناسور کا مل کر مقابلہ اور خاتمہ کرسکیں۔ ہر کسی نے دہشت گردی کی اپنی اپنی تعریف گڑھ لی جس سے اسے دوسروں کو قتل کرنے اور برباد کرنے کا جواز مہیا ہو گیا۔ یہاں تک کہ ایک گروہ نے دہشت گردی کے نظریے سے ہی انکار کردیا اور کہا کہ دہشت گردی ایک نظریہ نہیں بلکہ ایک عمل اور کارکردگی کا نام ہے۔۔۔ کچھ نے کہا کہ اسلحہ کے ذریعہ سیاسی مقاصد کے حصول کا نام ''دہشت گردی'' ہے۔۔۔ یہاں تک کہ اقوام عالم کی نمائندہ تنظیم اقوام متحدہ نے بھی آج تک دہشت گردی کی کوئی ایسی تعریف نہیں کی جس پر سب متفق ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک قوم، ملک، دین یا مذہب سے تعلق رکھنے والا دہشت گرد دوسرے کے نزدیک آزادی کا مجاہد اور ہیرو ہے۔ دہشت گردی کے نظریے کے پیروکاروں نے تو یہ فتویٰ بھی جاری کر دیا کہ اسلام کی عظمت اور اسلامی حکومت کے قیام کیلئے معصوم شہریوں کا قتل بھی جائز ہے تاکہ ریاست کو کمزور کیا جا سکے، اسی وجہ سے مختلف بازاروں، مساجد، گرجا گھروں، سکولوں اور عوامی مقامات کو نشانہ بنایا گیا اور یہ ایسے ہی تھا جیسے خنزیر کو دنبے کی کھال پہنا کر ذبح کیا جائے اور وہ حلال ٹھہرے۔

اسی دہشت گردی کی آڑ میں کئی بڑے ممالک نے کئی چھوٹے ممالک کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا اور انسانی حقوق کی وہ پامالی ہوئی کہ انسان کی روح بھی لرز اٹھے۔ یہ سب اسی لیے ہوا کہ بین الاقوامی معاشرہ دہشت گردی کی کسی ایک تعریف پر متفق نہیں اور اپنی اپنی تعریفات کے

تحت ہر طاقتور اپنے اہداف و مقاصد کو آگے بڑھارہا ہے اور اپنے دشمنوں سے دہشت گردی کے خاتمے کے نام پر جنگ لڑ رہا ہے۔ دہشت گردی کوئی ایسا عمل نہیں جو ایک دم وجود میں آئے اور بندہ بندوق لے کر نکل کھڑا ہو بلکہ یہ عمل ایک مخصوص نظریے کی مسلسل پرچار سے پروان چڑھتا ہے۔ پھر اس نظریے کے غلبے کیلئے مسلح جدوجہد شروع ہوتی ہے، لہٰذا دہشت گردی کا خاتمہ دہشت گردی کے اسباب جانے بغیر ممکن نہیں۔ دنیا میں اس وقت دہشت گردی مندرجہ ذیل نظریوں کے تحت ہورہی ہے:

۱۔ قومی نظریے کی بنیاد پر
۲۔ مذہبی نظریے کی بنیاد پر
۳۔ کیمونزم یا ترقی پسندی کی بنیاد پر
۴۔ معاشی ناانصافی کی بنیاد پر
۵۔ سیاسی ناانصافی کی بنیاد پر

ان نظریات کی تقویت کیلئے اور بزور طاقت دوسروں پر مسلط کرنے کیلئے عسکری ونگ وجود میں آئے ہیں۔ اب طاقت کے زور پر ان عسکری ونگز کو تو ختم کیا جا سکتا ہے، انہیں کمزور کر کے مذاکرات کی ٹیبل پر لایا جا سکتا ہے مگر دہشت گردی کو جڑ سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ دہشت گردی کو اگر جڑ سے اکھاڑنا ہے تو اس کا واحد حل یہ ہے کہ دہشت گردوں کو کمزور کرنے کے بعد ان کے دہشت گردانہ نظریات و افکار کو ختم کیا جائے اور نظریاتی خاتمے کیلئے بندوق کی نہیں علم کی ضرورت ہے اور جن جن ذرائع سے (یعنی مدارس، مساجد، تبلیغ، سکول و کالجز) دہشت گردی کے نظریات کا آغاز ہوا ہے انہی ذرائع سے اسے ختم کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ جس چیز کا جہاں سے آغاز ہوتا ہے وہیں سے اس کا خاتمہ ممکن ہے۔

شیخ الاسلام کے عملی اقدامات

افسوس یہ ہے کہ دہشت گردوں کو مختلف سیاسی و سماجی مافیاز نے بھی اپنے مقاصد کے حصول میں مخالفین کو کچلنے کیلئے استعمال کیا اور بدلے میں دہشت گردوں کو ڈھیل بھی دی گئی اور کسی بھی حکومت نے اس عفریت کو نہ سمجھا نہ اس سے نمٹنے کیلئے کوئی پلاننگ کی۔ دہشت گردی کے بارے میں بین الاقوامی معاشرے کے ذہنوں میں باقی رہ جانے والی الجھنوں اور گوں مگوں کی کیفیت میں پہلی بار دہشت گردی کی نظریاتی وفکری بیخ کنی کے لئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے انسانیت کو دہشت گردی کے خلاف مبسوط تاریخی فتویٰ کی صورت میں ایک مضبوط اور مکمل ڈاکومنٹ دیا اور یہ واضح کر دیا کہ دہشت گردوں کا نہ کوئی مذہب ہوتا ہے اور نہ انسانیت سے کوئی تعلق۔ دہشت گردی پر لکھنے جانیوالے اس مبسوط فتویٰ کا دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ شیخ الاسلام نے اپنے فتویٰ میں دہشت گردی کے اسباب سے لے کر ان کے قلع قمع کرنے تک کے تمام افکار کو قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کیا۔

دہشت گردی کے خلاف باقاعدہ فتویٰ جاری کرنے کے بعد شیخ الاسلام نظریاتی دہشت گردی کے خاتمے کی جانب متوجہ ہوئے اور دہشت گردی کے نظریات کے خاتمے کیلئے باقاعدہ امن نصاب متعارف کروایا جو متن (Text) کی 5 کتابوں سمیت 25 کتابوں پر مشتمل ہے۔ یہ نصاب کسی ایک طبقہ کے لئے نہیں بلکہ ہر طبقہ فکر کیلئے مرتب کیا گیا۔ اس امن نصاب میں بنیادی نقطہ یہی ہے کہ اسلام کا دہشت گردی سے کوئی ناطہ نہیں بلکہ اسلام اپنے آغاز ہی سے دہشت گردی کا مقابلہ کررہا ہے۔ جب ہر طرف انسانی حقوق کی پامالی تھی، تلوار اور طاقت کے زور پر غیر انسانی رویوں کو پروان چڑھایا جارہا تھا ایسے وقت میں اسلام نے اس بربریت کا مقابلہ بھی کیا اور خاتمہ بھی اور اسلامی اقدار اپنا کر دیگر ادیان کے ساتھ رہتے ہوئے پرامن زندگی گزارنے کے اصول وضوابط بھی سب سے پہلے اسلام نے وضع کیے۔ آج بھی دنیا سے دہشتگردی کا خاتمہ

اسلام کے انہی بنیادی اصولوں پر عمل کرنے سے ممکن ہے۔
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے دہشت گردی کے ایشو پر ہر وقت اداروں کی رہنمائی فرمائی۔

☆ دہشت گردی کی وجوہات بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

''غربت، معاشی ناہمواری، بے روزگاری اور ظلم و استحصال کا خاتمہ کیے بغیر انتہا پسندی اور دہشت گردی کا خاتمہ ممکن نہیں''۔

آج اگر ہم غور کریں تو دہشت گردی کی ایک ابتدائی وجہ بیروزگاری ہے۔ وہ نوجوان جنہیں کاروبار، نوکری نہیں ملتی وہ مایوس ہو کر ڈاکہ زنی اور قتل و غارت کرتے ہیں۔ معاشی ناہمواری و ناانصافی مقامی و بین الاقوامی دہشت گردی کا سبب بنتی ہے۔

☆ دہشت گردوں کے بارے میں آپ کا موقف بالکل واضح ہے کہ

''جہاد کے نام پر دہشت گردی کرنے والے مسلمان تو کجا انسان کہلانے کے بھی مستحق نہیں''۔

☆ حکومتی حلقوں کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلائیں کہ

''دہشت گردی کے مکمل خاتمے کیلئے غیر مبہم قانون سازی ناگزیر ہے''۔

☆ دہشت گردی کے خاتمے میں ایک بڑے رکاوٹ یہ ہے کہ کوئی بھی ملک اسے قبول کرنے کو تیار نہیں اور ہر کوئی دوسرے کو موردالزام ٹھہراتا ہے۔ اس کا حل یوں دیا کہ

''دہشت گردی کی جنگ کو اپنی جنگ قرار دیئے بغیر اس کا خاتمہ ممکن نہیں''۔

☆ ملک کے اندر موجود دہشت گردوں سے نمٹنے کیلئے قانون سازی کی ضرورت اور نظام عدل کو یوں بیان کرتے ہیں کہ

''دہشت گردی کا خاتمہ اور بے باکانہ سدباب تبھی ممکن ہے جب متعلقہ خصوصی عدالتیں، ادارے اور ایجنسیاں براہ راست فوج کے ماتحت ہوں''۔

یہ بات شیخ الاسلام نے بہت پہلے کہہ دی تھی مگر ہماری نااہل حکومت، حکمران اس عمل سے اس لیے ڈرتے تھے کہ ایسا کرنا کہیں ان کے اپنے گلے نہ پڑ جائے۔ آخر کار مجبوراً انہیں ایسا کرنا پڑا مگر جب فوجی عدالتوں کا قیام عمل میں آیا تو خصوصی عدالتیں جو عرصہ دراز سے عملی طور پر معطل تھیں ایک دم سے ایکٹو ہو گئیں اور فوری فیصلے آنے لگے کیونکہ انہیں خطرہ تھا کہ اگر یہ کیسز فوجی عدالتوں میں چلے گئے تو پھر نتائج مختلف ہونگے۔

☆ عرصہ دراز قبل معاشرے میں پیس سنٹرز قائم کرنے کے متعلق شیخ الاسلام نے فرمایا:

''نوجوانوں کو دہشت گردوں کا آلہ کار بننے سے بچانے کیلئے اسلام کی تعلیمات امن کو فروغ دینے کیلئے بڑے پیمانے پر پیس ایجوکیشن سنٹرز قائم کیے جائیں''۔

☆ اب ظاہری بات ہے کہ اگر یہ پیس ایجوکیشن سنٹرز قائم کیے جائیں تو ان میں کچھ پڑھانا بھی ہوگا۔ لہذا آپ نے صرف مشورہ ہی نہیں دیا بلکہ ایک مکمل نصاب امن بھی دیا جو کسی ایک طبقہ فکر کیلئے خاص نہیں بلکہ ہر کسی کیلئے ہے۔ جو کام حکومت کے کرنے کے تھے افسوس وہ لوٹ مار میں مصروف ہونے کی وجہ سے نہ کر سکی۔

اس وقت نصاب امن کی تقریبات رونمائی اور تعارفی تقریبات پوری دنیا میں منعقد ہو رہی ہیں۔ اس مقصد کے لئے شیخ الاسلام خود یورپ کے دورے پر ہیں اور علالتِ طبع کے باوجود تجدید دین اور احیائے اسلام کے سلسلہ میں یہ اہم فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ اس نصاب کے تعارف کے ساتھ ساتھ وہ پیس سنٹرز بھی قائم کرینگے اور اس کام کو سرانجام دینے کیلئے پیس ایمبیسیڈرز

بھی تعینات کرینگے۔

☆ دہشت گردی کو پروان چڑھانے والے نظریات و اسباب کی طرف بھی آپ نے بہت آغاز میں ہی اشارہ کر دیا تھا کہ

''دہشت گردی کے خاتمے کیلئے فرقوں اور انتہا پسندی کو تقویت دینے والے لٹریچر پر پابندی انتہائی ضروری ہے۔ وہ دینی مدارس جہاں ان نظریات کو پڑھایا جاتا ہے اور تقویت دی جاتی ہے۔ ایسے مدارس کے نظام اور نصاب میں اصلاحات اور یکسانیت کی ضرورت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ فرقہ واریت اور انتہا پسندی کو فروغ دینے والوں کو کڑی سزائیں دیئے بغیر دہشت گردی کو جڑ سے اکھاڑنا ممکن نہیں۔

☆ ہمارے ملک میں دہشت گردی کی وجوہات میں سے ایک یہ ہے کہ کچھ پڑوسی اسلامی ممالک اپنے عقائد و نظریات کی جنگ پاکستان میں موجود دینی مدارس کے ذریعہ لڑتے ہیں اور اس مقصد کیلئے وہ مدارس کو فنڈنگ بھی کرتے ہیں۔ حکومت کو اس کا علم بھی ہے مگر سیاسی مفاہمت کی وجہ سے وہ اس ایشو سے آنکھ چراتے رہے۔ شیخ الاسلام نے بہت پہلے کہہ دیا تھا کہ دہشت گردی کے خاتمے کیلئے دینی مدارس، جماعتوں اور تنظیموں کو ملنے والی بیرونی فنڈنگ کو بند کرنا انتہائی ضروری ہے۔

شیخ الاسلام نے دہشتگردی کی تعریف، اسباب اور اس کے عسکری و نظریاتی ونگز کے خاتمے کیلئے بڑی عمدہ وعظیم اور قابل عمل پالیسی دی مگر قابل افسوس امر یہ ہے کہ سیاسی تعصب میں بدمست حکمرانوں نے آج تک دہشت گردی کے خلاف منظّم پلاننگ پر توجہ نہیں دی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ شیخ الاسلام کے متعارف کردہ امن نصاب کو بھرپور فروغ دیا جائے۔ اس ضمن میں کسی بھی قسم کے تعصب کو آڑے نہ آنے دیا جائے۔ ہم سب کسی نہ کسی طرح دہشت گردانہ نظریات کا قلع قمع چاہتے ہیں مگر افسوس کہ کسی کی اچھی بات کو بھی اس لیے قبول نہیں کرتے کہ کہیں ایسا کرنے سے اس شخصیت کو کوئی کریڈٹ نہ مل جائے۔ اگر ہم اپنے ملک کو ترقی کرتا دیکھنا چاہتے ہیں اور اس دہشتگردی سے پاک کر کے دنیا میں باوقار قوم کی طرح زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ہر سطح پر دہشت گردی کے خاتمے کو سپورٹ کرنا ہوگا اور سیاسی و مذہبی وابستگی و تعصب سے بالاتر ہو کر ملک و قوم اور دین کے بارے میں سوچنا ہوگا۔

اگر ہم خود اس موضوع پر کوئی کام نہیں کر سکے تو پھر شیخ الاسلام کی کاوش و جدجہد کو نہ صرف تسلیم کرنا ہوگا، اسے عام کرنے میں اپنا کردار ادا کرنا ہوگا اور مختلف آرگنائزیشنز سکولز و کالجز اور اداروں کے ذریعہ اس نصاب کو فروغ دینا ہوگا۔

اس امن نصاب کو آج عام کرنے کی ضرورت ہے تا کہ ہر سطح پر دہشت گردی کے نظریات کو ختم کیا جا سکے کیونکہ دہشت گردی کی اس خطرناک قسم کا خاتمہ اسلحے کے ذریعہ نہیں بلکہ علمی و فکری حکمت عملی اور ذہنوں کی تبدیلی سے ممکن ہو گا اور اس کیلئے کوئی ایک فرقہ ،کوئی ایک سیاسی جماعت یا گروہ اس سے نبرد آزما نہیں ہوسکتا بلکہ قومی سطح پر تعصب سے بالا ہوکر ان معتدل نظریات کو قبول بھی کرنا ہو گا اور عام بھی۔ پاک افواج نے قومی فریضہ سمجھتے ہوئے ضربِ عضب کے ذریعے دہشت گردی کے عسکریت ونگز کا خاتمہ کر دیا ہے، اب ہمارا فرض ہے کہ ضربِ علم کے ذریعے دہشت گردانہ نظریات کا خاتمہ کر کے ہمیشہ کیلئے دہشتگردی کو دفن کر دیں۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا دورۂ یورپ
امن نصاب کی تعارفی تقریبات اور ورکرز کنونشنز میں خصوصی شرکت

پاکستان میں دہشت گردی و انتہاء پسندی کے سدباب کے لئے امن نصاب کی تقریب رونمائی کے بعد شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری ماہ اگست میں یورپ کے دورہ پر تشریف لے گئے۔ اس دوران آپ نے متعدد ممالک کا دورہ کیا اور وہاں امن نصاب کی تعارفی تقریبات اور دیگر پروگرامز میں خصوصی شرکت کی۔ ان میں سے چند ممالک کے دورہ کی رپورٹ نذرِ قارئین ہے:

☆ اٹلی (رپورٹ: محمد افضال مرزا، سیکرٹری انفارمیشن MQI اٹلی)

منہاج القرآن انٹرنیشنل اٹلی کے زیر اہتمام 6 اگست 2015ء کو عظیم الشان ورکرز کنونشن منعقد ہوا، جس میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے خصوصی شرکت کی۔ کنونشن میں اٹلی سے منہاج القرآن انٹرنیشنل کے رفقا، کارکنان اور وابستگان نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل یورپ کے صدر محترم اعجاز احمد وڑائچ اور ناظم محترم محمد بلال اپل بھی شیخ الاسلام کے ہمراہ موجود تھے۔

تلاوتِ قرآنِ مجید اور نعتِ رسولِ مقبول ﷺ کے بعد منہاج القرآن اٹلی کے صدر محترم محمد اقبال چودھری نے معزز مہمانوں کے اعزاز میں استقبالیہ کلمات پیش کیے، اور محترم محمد افضال سیال نے منہاج القرآن انٹرنیشنل اٹلی کی کارکردگی رپورٹ پیش کی۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے ورکرز کنونشن کے شرکا سے خطاب کرتے ہوئے فروغِ امن اور انسدادِ دہشت گردی کے حوالے سے مرتب کردہ نصاب کا تعارف کرایا اور پوری دنیا میں خارجیت کے تعاقب کرنے کے عزم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ دہشت گردی عالم اسلام ہی نہیں پوری انسانیت کیلئے بہت بڑا خطرہ ہے۔ دہشت گردوں نے طاقت کے حصول اور مالی مفادات کی خاطر اسلام کو بدنام کیا۔ ہم اسلام کے دامن سے دہشت گردی کا دھبہ صاف کر کے اس کا اصل چہرہ دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ امتِ مسلمہ کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ دہشت گردی کے قلع قمع کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔

☆ منہاج القرآن انٹرنیشنل نارتھ اٹلی بریشیاء کے زیراہتمام 8 اگست 2015ء کو شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے اٹلی کے ورکرز سے ملاقات کی اور نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والے کارکنان میں اعزازی اسناد تقسیم کیں۔ یہ تقریب بریشیاء کے ایک ہوٹل کے وسیع ہال میں منعقد ہوئی۔ جس میں منہاج القرآن انٹرنیشنل بریشیاء کے جملہ فورم جبکہ گردونواح سے رفقاء اور وابستگان کی کثیر تعداد نے بھی شرکت کی۔ تلاوت کلام پاک کی سعادت محترم حافظ حبیب الرحمان اور نعت رسول مقبول ﷺ کی سعادت حاجی محمد الیاس نے حاصل کی۔ اس موقع پر سٹیج سیکرٹری کے فرائض محترم عمر فاروق سیکرٹری جنرل منہاج القرآن بریشیاء نے سرانجام دیئے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی ہال میں آمد کے موقع پر محترم شفقت چیمہ صدر بریشیاء، محترم سید ثقلین شاہ سرپرست، محترم ارشد کنگ، محترم راجہ ضیا، محترمہ غزن حسین صدر ویمن لیگ اور دیگر سینئر احباب نے استقبال کیا اور پھولوں کے گلدستے پیش کئے۔ صدر منہاج یورپین کونسل محترم اعجاز احمد وڑائچ اور سیکرٹری جنرل منہاج یورپین کونسل محترم بلال اپل بھی شیخ الاسلام کے ہمراہ تھے۔

شیخ الاسلام نے اپنی خصوصی گفتگو میں امن کے فروغ اور دہشت گردی کے خاتمے کے حوالے سے منہاج القرآن کی خدمات کا ذکر کیا اور نصاب امن کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ دہشت گردی عالم اسلام ہی نہیں پوری انسانیت کیلئے بہت بڑا خطرہ ہے، دہشت گرد گروپوں نے طاقت کے حصول اور مالی مفادات کی خاطر اسلام کو بدنام کیا، دہشت گردوں کو قتل و غارت گری اور فساد برپا کرنے کیلئے اربوں روپے کے فنڈز دیئے جاتے ہیں جو بدقسمتی سے ابھی تک جاری ہیں۔ ذمہ داری سے کہتا ہوں دس یا بارہ سالہ مدرسے کی دینی تعلیم میں امن کے فروغ اور دہشت گردی کے خاتمے کا کوئی ایک باب بھی نہیں پڑھایا جاتا۔ انہوں نے دہشت گردی کو فروغ دینے والی وجوہات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جب تک سکولوں، کالجوں، مدرسوں کا ماحول امن دوست نہیں ہوگا، معاشی، سیاسی سماجی ناانصافی کا خاتمہ نہیں ہوگا، تعلیم، صحت، روزگار کی بنیادی سہولتیں نہیں ملیں گی، سوشل اور لیگل جسٹس نہیں ملے گا، ردعمل میں انتہا پسندی اور دہشت گردی فروغ پائے گی۔

اس موقع پر منہاج القرآن بریشیاء کے وہ اراکین جنہوں نے استقبال قائد سے لے کر انقلاب مارچ تک کی جدوجہد میں حصہ لیا، ان کو نشان منہاج اور اسناد سے نوازا گیا۔

☆ فرانس (رپورٹ: اے کے راؤ)

اٹلی کے کامیاب دورہ کے بعد شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری فرانس پہنچے۔ پاکستان عوامی تحریک فرانس کے زیراہتمام 20 اگست کو ورکرز کنونشن کا انعقاد کیا گیا جس میں شیخ الاسلام نے خصوصی طور پر شرکت کی۔ پیرس کے مضافاتی علاقے درانسی کے خوبصورت حال میں منعقدہ کنونشن کا آغاز قاری صدیق کی تلاوت سے ہوا۔ کنونشن میں پاکستان عوامی تحریک فرانس کے مرکزی، علاقائی عہدیداران اور کارکنان کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔

پاکستان عوامی تحریک فرانس کے سیکرٹری جنرل محترم محمد نعیم چودھری نے استقبالیہ کلمات پیش کرتے ہوئے شیخ الاسلام کو خوش آمدید کہا اور فرانس آمد پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے پاکستان کلچرل ایسوسی ایشن کے عہدیداران، فرنچ انتظامیہ اور مقامی میڈیا سمیت پاکستان عوامی تحریک فرانس کارکنان کا بھی شکریہ ادا کیا۔

پاکستان عوامی تحریک یورپ اور فرانس کے صدر محترم حاجی محمد اسلم چودھری نے چیئرمین پاکستان عوامی تحریک کو حالیہ کارکردگی کی رپورٹ پیش کی۔ انہوں نے PAT میں شامل ہونے والوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے شرکاء کا پارٹی چیئرمین سے ان کا تعارف کروایا۔

PAT کی علاقائی تنظیمات کرائی، سارسل، کلیشی، گونساویل اور ویل لابل کے عہدیداران اور کارکنان کو شاندار خدمات پر اعزازی شیلڈز اور اسناد پیش کی گئیں۔ لاڑکانہ سے بھٹو خاندان کی محترمہ صوفیہ بھٹو نے پاکستان عوامی تحریک میں شمولیت اختیار کرتے ہوئے شیخ الاسلام کو اپنا فارم پیش کیا۔

شیخِ فرانس شیخ حسن شال گومی نے ورکر کنونشن میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری بلاشبہ عرب وعجم کے شیخ الاسلام ہیں۔ موجودہ پرفتن دور میں اہلِ اسلام کی درست سمت میں راہنمائی، امن کی تعلیمات اور اس مقصد کے لیے سینکڑوں کتب کی تصانیف انہیں شیخ الاسلام بناتی ہے۔

شیخ الاسلام نے ورکر کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ دہشت گردی عالم اسلام ہی نہیں پوری انسانیت کیلئے خطرہ ہے۔ دہشت گرد انسانیت کے دشمن ہیں، جو طاقت کے حصول اور مالی مفادات کی خاطر اسلام کو بدنام کر رہے ہیں۔ انہوں نے داعش، القائدہ، بوکوحرام اور طالبان کی کارروائیوں کی مذمت کرتے ہوئے انہیں کرمنل ایکٹس قرار دیا۔

فروغ امن اور انسداد دہشتگردی کے مرتب کردہ اپنے نصاب کا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا کہ 25 کتابوں پر مشتمل یہ نصاب دہشتگردی اور انتہا پسندوں کی جہاد کے حوالے سے خود ساختہ اور گمراہ کن تعریف کو رد کرتا ہے۔ دہشت گردوں کی انسانیت سوز کاروائیاں کسی طور بھی جہاد نہیں ہیں۔ اسلام ایک پر امن مذہب ہے، جس میں کسی بھی قسم کی دہشت گردی حرام ہے۔نئی نسل کو انتہا پسندی اور فکری تنگ نظری کے اندھیروں سے نکالنا میری جدوجہد کا مرکزی نکتہ ہے۔ پاکستان عوامی تحریک کے کارکنوں کو بھی میرا یہی پیغام ہے کہ وہ اسلام کے سائے میں امن کو فروغ دیں۔

☆ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے دورہ فرانس کے دوران پیرس میں 24 اگست کو مجلس شوریٰ منہاج القرآن یورپ، ممبر نیشنل ایگزیکٹو کونسل، پاکستان عوامی تحریک فرانس اور منہاج القرآن فرانس کی علاقائی تنظیمات کے سربراہان نے ان سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات مصطفوی ہاؤس میں ہوئی جس کا مقصد پاکستان عوامی تحریک اور منہاج القرآن فرانس کی کوآرڈینیشن کو بہتر بنانا اور ان کی تنظیم نو کرنا تھا۔ اجلاس میں چوھدری محمد اعظم کو منہاج القرآن فرانس کا نائب صدر اول، بانی رکن منہاج القرآن فرانس طارق چوھدری کو منہاج القرآن فرانس کا نائب صدر، پروفیسر علامہ حسن میر قادری کو امیر اور حاجی طارق کو نائب امیر منہاج القرآن فرانس مقرر کیا گیا۔ اس موقع پر شیخ الاسلام کا کہنا تھا کہ منہاج القرآن انٹرنیشنل کی مثال درخت کی سی ہے۔ پاکستان عوامی تحریک، منہاج ویلفیئر فاونڈیشن، منہاج پیس اینڈ اینٹی گریشن اور دیگر ذیلی ادارے اس درخت کی شاخیں ہیں۔ ہماری اولین ذمہ داری درخت کی آبیاری ہے۔منہاج القرآن انٹرنیشنل اسلام کا پرامن چہرہ دنیا کے سامنے پیش کر رہی ہے۔

☆نیدرلینڈز

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری دورہ یورپ کے دوران 24 اگست کو فرانس سے نیدرلینڈز پہنچے جہاں منہاج القرآن انٹرنیشنل اور پاکستان عوامی تحریک کے کارکنان نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل نیدرلینڈز کے منعقدہ ورکر کنونشن میں کارکنان کی بڑی تعداد سے خطاب کرتے ہوئے شیخ الاسلام نے کہا ہے کہ 2013ء کے الیکشن سے قبل خلاف آئین تشکیل پانے والے الیکشن کمیشن اور اس کے صوبائی ممبرز کی تقرریوں کو سب سے پہلے ہم نے سپریم کورٹ میں چیلنج کیا تھا۔ اس وقت کے چیف جسٹس افتخار چودھری نے سیاسی عزائم اور تعصب کے باعث ہماری آئینی پٹیشن کو سننے سے انکار کر دیا۔ حکمران طبقہ آئین پاکستان کو صرف موم کی ناک سمجھتا ہے۔ آئین بالادست ہوتا تو غیر آئینی الیکشن کمیشن مسلط ہوتا نہ سات سال تک بلدیاتی اداروں کو تالے لگتے۔ پاکستان عوامی تحریک ملک چلانے والے اوورسیز پاکستانیوں کو اس کا جائز مقام دلوائے گی اور بیرون ملک مقیم پڑھے لکھے، محبّ وطن اور تجربہ کار پاکستانیوں کے تعاون سے پاکستان کو ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑا کرے گی۔

آج ساری جماعتیں الیکشن کمیشن کے صوبائی ممبرز سے مستعفی ہونے کا کہہ رہی ہیں تاہم 2013ء کے انتخابات سے قبل جب ہم نے اس حوالے سے آواز اٹھائی یہاں تک کہ لاکھوں عوام کے ساتھ اسلام آباد کی طرف لانگ مارچ کیا تو اس وقت سیاسی رہنماؤں نے مصلحتوں سے کام لیا اور اس وقت کی پیپلز پارٹی کی حکومت نے تحریری معاہدہ کے باوجود آئینی الیکشن کمیشن کی تشکیل اور انتخابی اصلاحات کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کیں اور پھر میں نے لانگ مارچ کے موقع پر انتخابی، جمہوری نظام کو لاحق جس کینسر کا ذکر کیا تھا بعدازاں اس نے پورے سسٹم کو اپنی لپیٹ میں لیا اور ابھی تک تماشا جاری ہے۔ کریڈیبلٹی اور آئینی کور سے محروم الیکشن کمیشن نے پوری قوم کو ہیجان میں مبتلا کر رکھا ہے

اور سٹیٹس کو کی حامی جماعتیں اس ریموٹ کنٹرول الیکشن کمیشن کو اپنے پسندیدہ نتائج کے حصول کیلئے استعمال کر رہی ہیں۔ اب بھی ان کی یہ خواہش ہے کہ بلدیاتی انتخابات بھی ریموٹ کنٹرول الیکشن کمیشن کے صوبائی ممبرز کی نگرانی میں ہوں۔

ہم آج بھی سمجھتے ہیں کہ 2013ء کے انتخابات غیر آئینی الیکشن کمیشن نے کروائے اس لیے یہ سارے کا سارا نظام ہی بوگس اور جعلی ہے۔ جب تک الیکشن کمیشن آئین کے مطابق تشکیل نہیں پاتا اور انتخابی اصلاحات نہیں ہوتیں اس وقت تک نہ تو عوام کی حقیقی نمائندہ اسمبلیاں وجود میں آئینگی اور نہ ہی یہ جمہوری گند صاف ہوگا۔

☆سپین

اٹلی کے کامیاب دورہ کے بعد شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری 28 اگست کو سپین پہنچے۔ بارسلونا میں آپ نے منہاج القرآن انٹرنیشنل اور پاکستان عوامی تحریک سپین کے کارکنان سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اسلام آباد میں کرپٹ اور فرسودہ سیاسی نظام کے خلاف دھرنا دیا۔ عوام کے بنیادی حقوق کی بحالی کے لئے ہمارے کارکنان کی قربانیاں ہرگز رائیگاں نہیں جائیں گی۔ دھرنے کے اثرات ان شاء اللہ ہر صورت ظاہر ہوں گے اور سٹیٹس کو کی قوتوں کو شکست کا سامنا ہوگا۔ نام نہاد حکمران جنہوں نے قومی خزانے کو نقصان پہنچایا ان کو چھپنے کی کوئی جگہ نہ ملے گی۔ عوام کو ان کرپٹ لیڈروں کے خلاف اٹھنا ہوگا اور ’’کرپشن اور قومی خزانے کی لوٹ مار نہیں ہونے دیں گے‘‘ کا نعرہ بلند کرنا ہوگا۔ ضربِ عضب کے بعد ان معاشی دہشت گردوں کے خلاف بھی قومی اداروں کو بھرپور ایکشن لینا ہوگا۔ کرپشن اور دہشت گردی اصل میں ایک ہی ہیں۔

ہم نے جنوری 2013ء میں الیکشن کمیشن کی غیر آئینی و غیر قانونی تشکیل کے خلاف مارچ کیا تھا اور آج تمام سیاسی جماعتیں اسی الیکشن کمیشن کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اسے مستعفی ہونے کا مطالبہ کررہی ہیں۔ جب تک قوم باہر نہیں نکلتی یہ ظالم حکمران ظلم وستم کا بازار گرم کئے رکھیں گے۔ موجودہ کرپٹ وفرسودہ سیاسی نظام پاکستان میں لوٹ مار، دہشت گردی اور ناانصافی کو رواج دینے کی راہ ہموار کرتا ہے۔

شخصیات کے بجائے ادارے مضبوط و مستحکم ہوں تو اقوام اور ممالک ترقی کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو یہ ہے کہ وزراء اپنی مرضی کے فیصلوں کے حصول کے لئے ججز کو دھمکیاں دیتے ہیں اور مرضی کا فیصلہ نہ آنے پر اُن کی کردارکشی کرتے ہیں۔ کیا یہ طرزعمل جمہوری سیاست اور شرافت کا عکاسی کرتا ہے؟ اسی بناء پر ہم نے سانحہ ماڈل ٹاؤن پر حکومتی تشکیل کردہ نام نہاد JIT کو تسلیم نہیں کیا جو کہ پنجاب پولیس افسران پر مشتمل تھی۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن پر قائم کئے گئے جوڈیشل کمیشن کے معزز جج کو بھی دھمکیاں دی گئیں اور ان کی بھی کردارکشی کی گئی۔ ایک سال سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود سانحہ ماڈل ٹاؤن کے شہداء کو انصاف فراہم نہیں کیا گیا۔ ہم قومی اداروں سے سانحہ ماڈل ٹاؤن کے شہداء کے خون سے انصاف کا مطالبہ کرتے ہیں۔

معاشی دہشت گردوں کے خلاف کارروائی پر تمام چور، ڈاکوؤں نے سازشیں شروع کردی ہیں اور مختلف بیانات کے ذریعے خود ساختہ تضادات کو ابھار رہے ہیں۔ فوج کے خلاف حکومتی وزراء کا بیانات اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے دھرنے دینے سے قوم میں موجود خوف کی فضا ختم ہوگئی اور عوام میں اپنے حقوق کے حصول کے لئے صدائے احتجاج بلند کرنے کا ڈھنگ اور سلیقہ آ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج کسان، اساتذہ، تاجر، کلرک، نابینا ومعذور افراد حتی کہ گوالے بھی اپنے حقوق کے حصول کے لئے پنجاب اسمبلی کے باہر ہر آئے روز دھرنے دیتے اور احتجاج کرتے نظر آتے ہیں اور محلات میں رہنے والے حکمران ان سے مذاکرات کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ یہ سب ہمارے دھرنے ہی کے اثرات ہیں جس نے عام آدمی کو بھی اپنے حقوق کے حصول کے لئے آگے بڑھنے کا حوصلہ عطا کیا۔ ❁❁❁❁

منہاج ایجوکیشن سوسائٹی کے زیر اہتمام

سالانہ 6 ویں فرید ملت سکالرشپ تقریب 2015ء کا انعقاد

منہاج ایجوکیشن سوسائٹی کے زیر اہتمام فرید ملت سکالرشپ کی 6 ویں سالانہ تقریب 10 ستمبر 2015 کو تحریک منہاج القرآن کے مرکزی سیکرٹریٹ کے صفہ ہال میں منعقد ہوئی۔ تقریب کے صدارت تحریک منہاج القرآن کے صدر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے کی، جبکہ امیر تحریک محترم صاحبزادہ فیض الرحمٰن درانی، ناظم اعلیٰ محترم خرم نواز گنڈاپور، محترم بریگیڈیئر (ر) محمد اقبال، محترم صاحبزادہ محمود فیضی، محترم خالد محمود سلطان، محترم شیخ محمد اسلم، محترم حاجی محمد حنیف نے خصوصی طور پر شرکت کی۔ تقریب میں ملک بھر سے آئے ہوئے درجنوں سکولوں کے ہونہار پوزیشن ہولڈرز 120 بچوں میں 10 لاکھ روپے کے سکالرشپ تقسیم کیے گئے۔ اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کرنے پر سکولوں کے اساتذہ کو بھی شیلڈز اور اسناد دی گئیں۔ بچوں نے ملی نغمے، ٹیبلو شو اور مختلف خاکے پیش کر کے اپنی تخلیقی اور تعمیری صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا اور شرکائے تقریب نے انہیں والہانہ داد سے نوازا۔ بچوں اور ان کے والدین نے سستی اور معیاری تعلیم کی سہولتیں فراہم کرنے پر تحریک منہاج القرآن کے بانی و سرپرست اعلیٰ ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو خراج تحسین پیش کیا۔

تقریب کے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے کہا کہ منہاج ایجوکیشن سوسائٹی معیاری، بامقصد اور سستی تعلیم کا واحد ادارہ ہے جس کے 630 سکولوں میں ڈیڑھ لاکھ بچے زیر تعلیم ہیں اور جنہیں 10 ہزار سے زائد اعلیٰ تعلیم یافتہ اساتذہ جدید علوم سے روشناس کروارہے ہیں۔ منہاج ایجوکیشن سوسائٹی ڈاکٹر طاہرالقادری کے تعلیمی وژن کی روشنی میں آئمہ مساجد نہیں بلکہ اسلامک سکالر پیدا کررہی ہے۔ ایسے دور دراز علاقوں میں معیاری تعلیمی ادارے قائم کررہے ہیں جہاں مناسب فیس نہ ملنے کے ڈر سے بڑے بڑے کمرشل ایجوکیشن گروپ اپنی برانچز قائم نہیں کرتے۔ سیکنڈ ایئر تک پورے ملک میں یکساں نصاب اور تعلیم ہونی چاہیے۔ آج کا دانشور بولتا زیادہ، سوچتا کم ہے، لکھتا زیادہ اور پڑھتا کم ہے اور سوسائٹی پر اس کے اثرات بھی ویسے ہی ہیں۔ تعلیم مقدار میں بڑھ گئی مگر معیار میں کم ہوگئی۔ ایسی تعلیم کی ضرورت ہے جو قوم میں غیرت وحمیت کو پروان چڑھائے۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح رحمہ اللہ علیہ کے اندر اخلاص اور عمل کا نور تھا جس کے ثمرات کروڑوں مسلمانوں کی آزادی کی صورت میں سامنے آئے۔

دھرنے کے دوران ہمارا کوئی سکول یا کالج ایک دن کیلئے بھی بند نہیں ہوا حالانکہ منہاج القرآن کے زیر اہتمام کام کرنے والے سکولوں، کالجوں میں ڈیڑھ لاکھ سے زائد بچے اور دس ہزار سے زائد اساتذہ ہیں۔ ظالم نظام کے خلاف ہماری جدوجہد میں پسے ہوئے طبقات نے شرکت کی۔ تعلیم کا مقصد ڈگریوں کے انبار لگانا نہیں بلکہ انسانیت کی خدمت اور وطن کی سربلندی کیلئے اپنا حصہ ڈالنا ہے۔

آج سے 500 سال پہلے اساتذہ اور تعلیمی ادارے آج کی نسبت بہت کم تھے مگر آج ہمیں ڈھونڈنے سے بھی غزالی، بوعلی سینا، رازی اور مولانا روم نہیں ملتے کیونکہ آج درس وتدریس کا عمل دنیاوی مراعات سے منسلک ہو چکا ہے جبکہ پانچ سو سال قبل اور اس سے پہلے والے مسلمان انسانیت کی خدمت کے جذبہ سے علم حاصل کرتے اور تقسیم کرتے تھے۔ آج بھی اسی اخلاص اور تعلیم کے مصطفوی مقصد کی طرف لوٹنا ہوگا۔ جب سے اعلیٰ تعلیم کو بڑی نوکری اور بڑی مراعات کا ذریعہ بنایا گیا ہے تب سے انتشار اور بے چینی میں اضافہ ہوا ہے اور آج کی مہذب دنیا ایک جنگل کا منظر پیش کررہی

ہے۔ آج بھی ہزاروں کتابیں لکھی جاتی ہیں جن کی عمر چند مہینے یا چند سالوں سے زیادہ نہیں ہوتی جبکہ ہم آج بھی امام غزالی، بوعلی سینا جیسے اسلاف کی کتب کے فخر سے حوالے دیتے ہیں اور انہیں اپنے مطالعے کا حصہ بناتے ہیں۔ امت مسلمہ کو اپنے شاندار ماضی کو واپس لانے کیلئے علم و تحقیق کی طرف لوٹنا ہوگا، اسلامی حکمران اپنی بڑی بڑی لائبریریوں اور کتب خانوں کے قیام کے ذریعے امت مسلمہ کی خدمت کررہے تھے اور آج ہم اس شخص کو لائبیریرین بناتے ہیں جو بیمار اور عمر رسیدہ ہوتا ہے۔

منہاج القرآن انٹرنیشنل نے Android پر شیخ الاسلام کی کتب کی نئی App کا اجراء

منہاج القرآن انٹرنیشنل کی طرف سے 18 اگست 2015ء کو Android سسٹم کے لئے نئی App کے نام سے متعارف کروائی گئی، جس میں شیخ الاسلام ڈاکٹر طاہرالقادری کی سینکڑوں اردو، عربی، انگلش کتب موجود ہیں۔ یہ App گوگل پلے سٹور پر "Islamic Library by MQI" کے نام سے مفت ڈاؤن لوڈ کے لئے دستیاب ہے۔

چیئرمین سپریم کونسل تحریک منہاج القرآن محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے App کا افتتاح فرمایا۔ اس موقع پر انہوں نے App کے ڈویلپر طیب خان رند اور اس کی ٹیم کی کاوشوں کو خوب سراہتے ہوئے کہا کہ ان کی یہ خدمت اسلام کے پیغام امن کے فروغ کا باعث بنے گی۔ یہ ایپ Blue Horn Technologies نے MIB کے تعاون سے رضاکارانہ طور پر ڈویلپ کی ہے۔ اس میں کتب کی ڈاؤن لوڈنگ اور مطالعہ کی سہولت دی گئی ہے اور صارفین کی سہولت کیلئے کتب کو کیٹیگریز میں پیش کیا گیا ہے۔

منہاج القرآن انٹرنیشنل کی طرف سے عرفان القرآن کی اینڈرائڈ، ونڈوز اور ios پر App پہلے سے جاری کی جا چکی ہیں، جو گوگل پلے سٹور پر مفت ڈاؤنلوڈ کیلئے دستیاب ہیں۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر طاہرالقادری کے نام سے اینڈرائڈ سسٹم کے لئے ایک نئی App پر کام جاری ہے، جسے عنقریب صارفین کیلئے پیش کر دیا جائے گا۔

تحریک منہاج القرآن کی آفیشل ویب سائٹ کے عربی ورژن کا اجراء

منہاج انٹرنیٹ بیورو تحریک منہاج القرآن کے مرکزی سیکرٹریٹ پر موجود تحریکی ویب سائٹس اور سافٹ ویئر بنانے والا شعبہ ہے، جو اس وقت تک 65 سے زیادہ ویب سائٹس اور 20 سے زیادہ سافٹ ویئر بنا چکا ہے۔ اس شعبہ کا ہدف شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے پیغامِ امن و محبت اور تحریک منہاج القرآن کی کاوشوں کو دنیا بھر تک پہنچانا ہے، تاکہ اسلام بارے انتہاء پسندانہ شبہات کا ازالہ کیا جا سکے اور اسلام کا نکھرا ہوا حقیقی چہرہ دنیا کو دکھایا جا سکے۔ منہاج انٹرنیٹ بیورو کی ٹیم جدید تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے سائبر دنیا میں اپنا فریضہ سرانجام دے رہی ہے۔

اسی سلسلہ میں حال ہی میں منہاج انٹرنیٹ بیورو، تحریک منہاج القرآن نے آفیشل ویب سائٹ www.minhaj.org کا نیا عربی ورژن www.minhaj.org/arabic لانچ کیا ہے۔ ویب سائٹ کا افتتاح مورخہ 7 اگست 2015 کو چیئرمین سپریم کونسل تحریک منہاج القرآن ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے کیا اور منہاج انٹرنیٹ بیورو کی ٹیم کو اس عظیم کاوش پر خصوصی مبارکباد دی۔ اس موقع پر ڈائریکٹر MIB نے بتایا کہ عربی ویب سائٹ کو لانچ کرنے کا مقصد شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا پیغام امن و محبت دیگر ممالک کی طرح عرب دنیا میں بھی عام کرنا ہے۔ جدید تکنیکی تقاضوں کے مطابق از سر نو ڈیزائن کردہ ویب سائٹ کا نیا ورژن نہ صرف دیکھنے میں دیدہ زیب ہے بلکہ

اس میں صارفین کے لیے نئی سہولیات بھی متعارف کروائی گئی ہیں۔ نیا ڈیزائن responsive ہے، چنانچہ ویب سائٹ اب کسی بھی سائز کے سمارٹ فون اور ٹیبلٹ پر بہترین رزلٹ دیتی ہے۔ انگلش، اردو اور عربی زبان میں ڈویلپ کردہ ان ویب سائٹس کے نئے ورژن میں سرچ کیلئے گوگل کی طرز پہ بہترین فنکشن موجود ہے۔

اس ویب سائٹ کی خاص بات اس کے سرورق پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی عربی کتب کی اشاعت ہے۔ علاوہ ازیں صارفین کو یہ سہولت بھی دی گئی ہے کہ وہ ویب سائٹ میں نئی شامل کی جانے والی خبروں سے فوری آگاہ ہونے کیلئے subscribe کرسکیں۔ اس صورت میں کسی بھی نیوز کے ویب سائٹ میں شامل ہونے کے فوری بعد وہ نیوز خودکار طریقے سے انہیں بذریعہ ای میل بھجوا دی جاتی ہے۔

تحریک منہاج القرآن سینٹرل پنجاب کے اضلاع کی تنظیم نو

گذشتہ ماہ نائب ناظم اعلیٰ تنظیمات محترم محمد رفیق نجم نے سینٹرل پنجاب کے متعدد اضلاع کا دورہ کیا اور وہاں درج ذیل احباب کو تحریک منہاج القرآن کے امیر اور ناظم کی ذمہ داریاں تفویض کی گئیں۔

1۔ نارووال۔ غلام سرور قادری (امیر) 0333-8895071، فیصل رفیق (ناظم) 0300-7772833

2۔ شیخو پورہ۔ اظہر علی جٹ (امیر) 0300-4404279، خالد محمود منہاجین (ناظم) 0345-6343966

3۔ گجرات۔ مرزا طارق بیگ (امیر) 0301-6218724، راجہ عبدالوحید (ناظم) 0300-9516591

4۔ منڈی بہاؤ الدین۔ مختار احمد بدر (امیر) 0345-7560092، ظہور احمد بھٹی (ناظم) 0340-3874436

5۔ حافظ آباد۔ ملک محمد سلطان (امیر) 0322-9778462، علامہ شبیر احمد قادری (ناظم) 0321-7473608

6۔ گوجرانوالہ۔ عمران علی ایڈووکیٹ (امیر) 0322-5565410، محمد راشد میر (ناظم) 0300-6463213

7۔ پاکپتن۔ سید ابو داؤد شاہ (امیر) 0302-7246930، عقیل شہباز ایڈووکیٹ (ناظم) 0333-6948196

8۔ ساہیوال۔ عامر وقاص طاہر (امیر) 0300-7539419، محمد حسن مکی (ناظم) 0300-3738554

9۔ اوکاڑہ۔ محمد حفیظ قادری (امیر) 0300-6964952، فرید احمد (ناظم) 0342-6747351

10۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ حاجی محمد لطیف (امیر) 0345-7617347، ارشاد چوہدری (ناظم) 0332-7631800

11۔ سمندری۔ سید اکرام الحق شاہ (امیر) 0344-5777550، پروفیسر محمد یوسف (ناظم) 0300-7256141

12۔ جڑانوالہ۔ محمد خلیل خان (امیر) 0300-7631066، محمد اشرف قادری (ناظم) 0336-6660299

13۔ ننکانہ صاحب۔ امجد علی قادری (امیر) 0345-6289156، حافظ خالد محمود کاہلوں (ناظم) 0333-4572415

ضلع کوآرڈینیٹرز:

1۔ چوہدری محمد اقبال (ضلع قصور) 0321-4812222

2۔ چوہدری محمد اکرم (ضلع گجرات) 0333-8405659

3۔ سید محمود الحسن جعفری (حافظ آباد) 0333-8124979

گوشہ درود

امت مسلمہ کا حضور نبی کریم ﷺ سے جو رشتہ غلامی اور تعلق حبی و عشقی کمزور ہوتا جارہا تھا اسے پھر سے مضبوط و مستحکم کرنے اور نسبتِ محمدی ﷺ کو مزید پختہ کرنے کے لئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے مرکز منہاج القرآن پر دسمبر 2005ء میں گوشہ درود قائم کیا جہاں فرض نماز کے اوقات کے علاوہ 24 گھنٹے درود وسلام اور قرآن مجید کی تلاوت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مرکزی گوشہ درود اور اس کے تحت چلنے والے حلقات درود وفکر کے ذریعے ماہ اگست 2015ء میں 68 کروڑ 44 لاکھ 43 ہزار 301 مرتبہ درود پاک پڑھا گیا (اور ماہانہ مجلس ختم الصلوۃ علی النبی ﷺ منعقدہ 5 اگست 2015 بمقام صفہ ہال) میں آقا کریم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا اب تک 1 کھرب 6 ارب 27 کروڑ 9 لاکھ 76 ہزار 771 مرتبہ درود پاک حضور تاجدار کائنات ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا ہے۔ گوشہ درود میں ہر دس دن کے بعد افراد گوشہ نشینی کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ وہ احباب نفلی اعتکاف کی نیت سے آتے ہیں اور انہیں نفلی روزہ بھی رکھوایا جاتا ہے۔ ماہ جولائی 2015ء میں جو خوش نصیب گوشہ نشین ہوئے ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں

غلام فرید عاجز، محمد صادق، محمد عثمان، غلام فرید، محمد طلحہ شاہد، بلال مقصوم، حافظ محمد حنان، غلام یسین، محمد عمر دارز، محمد یار، غلام مرتضیٰ حیدر مصطفیٰ، محمد عمر اسحاق، محمد ناظم، محمد عدنان اشرفی، محمد شفیق، محمد حنیف، طارق فاروق، محمد اسجد

نوٹ: گوشہ درود میں گوشہ نشینی کے لئے آنے کے خواہشمند احباب درج ذیل نمبرز پر رابطہ کرسکتے ہیں:

سید مشرف علی شاہ سربراہ گوشۂ درود 0334:2624263

وحید شریف (منتظم گوشۂ درود) 03465924247

علامہ محمد لطیف مدنی کوآرڈینٹر 0300:4210023 آفس نمبر 042:35179463

انتقالِ پُر ملال

گذشتہ ماہ ناظم منہاج پروڈکشن محترم عادل ظہیر خان کے والد محترم ظہیر احمد خان طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم، تحریک منہاج القرآن کے دیرینہ رفیق تھے۔ وہ نہ صرف خود ایک متحرک کارکن تھے بلکہ انہوں نے اپنے پانچ بیٹوں کو بھی تحریک کے لئے وقف کر رکھا ہے۔

مرحوم کے جنازہ میں جملہ مرکزی قائدین نے خصوصی شرکت کی۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری، محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اور جملہ مرکزی قائدین نے مرحوم کے انتقال پر گہرے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اُن کی بلندیٔ درجات کی بھی دعا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور اُن کے لواحقین کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا دورۂ یورپ
امن نصاب کی تعارفی تقریبات اور ورکرز کنونشنز میں خصوصی شرکت

(اٹلی)

(بریشاء۔اٹلی)

(نیدرلینڈز)

(فرانس)

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN
LAHORE
Regd CPL No.41